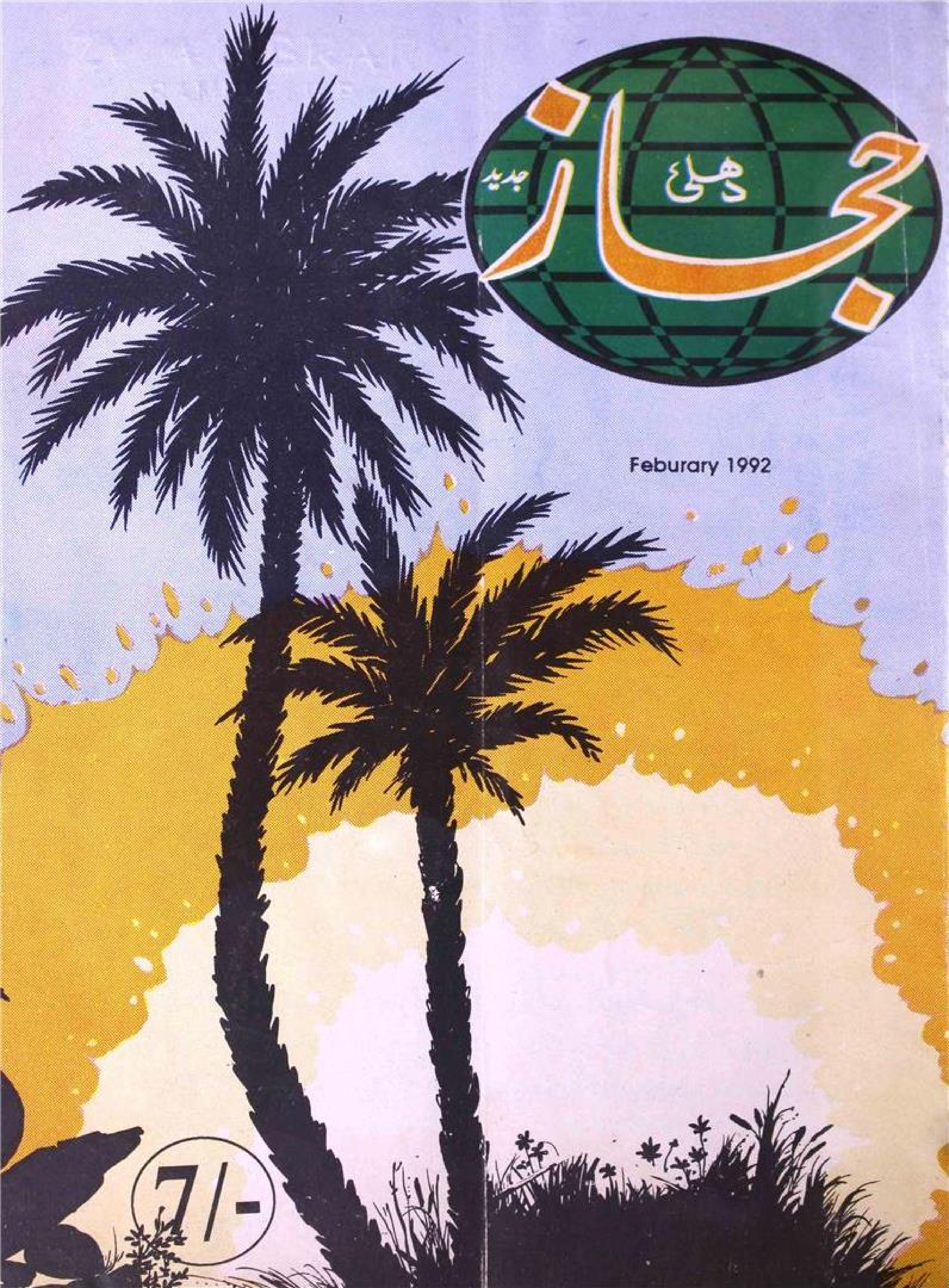

حجاز
جدید
دہلی
Feburary 1992
7/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمانِ دین و دانش

ماہنامہ حجاز جدید، دہلی

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

مدیر مسئول ــــــــــ یٰس اختر مصباحی
مدیر معاون ــــــــــ فتح احمد بستوی مصباحی

شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
مطابق فروری ۱۹۹۲ء

جلد ۵ شمارہ ۲ فون: ۶۸۳۵۸۰۳

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر محمد یٰس اختر مصباحی نے ایس۔ کے آفسیٹ پریس مٹیا محل دہلی ۶ سے طبع کرا کے آفس ماہنامہ حجاز جدید ۸۸ ماسٹر ٹ ۴ اے ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۲۵ ۱۱۰۰ سے شائع کیا۔

زرِ اشتراک

سالانہ اعزازی ۱۱۱/= سالانہ عمومی ۸۰/=
ششماہی ۴۰/= فی شمارہ ۷/=

بیرونِ ملک

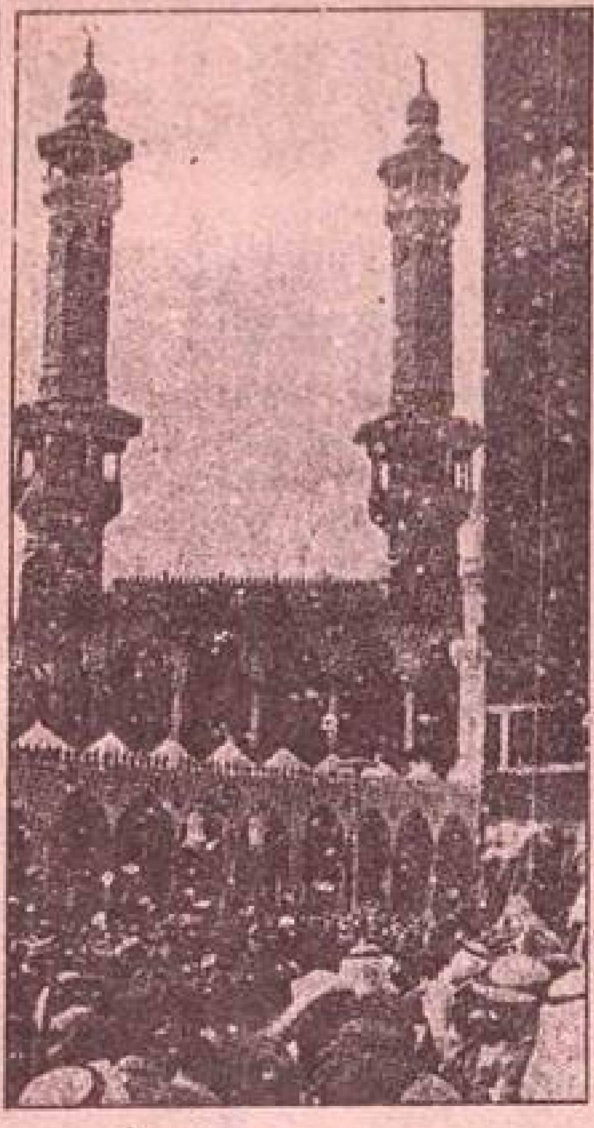
پاکستان	۲۵۰/= روپے	عمان	۸/= عمانی ریال
سعودی عرب	۸۰/= سعودی ریال	متحدہ عرب امارات	۸۵/= درہم
قطر	۸۵/= قطری ریال	برطانیہ	۲۰/= پونڈ
کویت	۷/= دینار	امریکہ	۲۲/= ڈالر
بحرین	۸/= دینار		

ڈرافٹ پر صرف حجاز جدید منتقل لکھیے

HIJAZ JADEED MONTHLY

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ
مینیجر ماہنامہ حجاز جدید
۴۲۳ مٹیا محل، جامع مسجد۔ دہلی ۶

کاروانِ حجاز



هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ

اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ

الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ

وہ اللہ جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے
رسول کو بھیجا جو ان پر قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں
پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے

بندۂ خدا

دوشیزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی، اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال، جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا اور اگر تجھے شیطان کا کوئی کونچا پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا اور جانتا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند، سجدہ نہ کرو سورج کو اور چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا اگر تم اسی کے بندے ہو۔

سورہ حٰم السجدۃ آیت ۳۳ تا ۳۷

(کنزالایمان)



حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اور میں ہر سرخ و سیاہ (مشرق اور مغربی قوموں) کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ پہلے کسی نبی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ اور صرف میرے لئے تمام روئے زمین پاک اور مسجد بنا دی گئی۔ لہٰذا جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پالے وہاں نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور میری ایسے رعب سے مدد کی گئی جو (دشمنوں پر) ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہو جاتا ہے۔ اور مجھ ہی کو شفاعت عطا کی گئی۔

(صحیح مسلم)

مسلم ممالک کو مرعوب کرنے کی سازش

اداریہ

یٰسین اختر مصباحی

ملک کی عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ یو۔پی کے جلسۂ دستار فضیلت و عرس عزیزی میں مولانا یٰسین اختر مصباحی نائب صدر مسلم پرسنل لار کانفرنس اور مولانا محمد ادریس بستوی جنرل سکریٹری کی تحریک پر ممتاز علمار اور دانشوروں نے باہمی تبادلۂ خیال کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز اتفاق رائے کے ساتھ پاس کیں۔ جنھیں ہزاروں شرکار و حاضرین نے بھی منظور کیا۔

۱۔ مسلمانان ہند اپنے مقدس مذہبی مقامات و ملی شعائر کے تحفظ کے ساتھ تعلیمی و اقتصادی امور و معاملات میں ترقی و استحکام کی طرف بھی خصوصی توجہ دیں۔

۲۔ مسلم پرسنل لار میں کسی قسم کی تبدیلی جو مزاج شریعت کے خلاف ہو وہ کسی بھی حال میں قابل قبول نہیں۔

۳۔ بابری مسجد کے کسی بھی جز سے دست برداری یا اس کی منتقلی شرعاً جائز نہیں۔ بابری مسجد سے بت نکال کر اس میں نماز پنجگانہ کی اجازت دینا اور اس کی موقوفہ اراضی پر مسلمانوں کو قبضہ دینا ہی مسئلہ بابری مسجد کا واحد حل ہے۔ اور یہی آئین و انصاف کا تقاضا بھی ہے۔

۴۔ امریکہ و برطانیہ کی جانب سے لیبیا پر حملہ کی تازہ دھمکی بین الاقوامی دستور کی کھلی ہوئی خلاف ورزی اور صلیبی و صیہونی عناصر کی طرف سے مسلم ممالک کو مرعوب و خوفزدہ کرنے کی سازش ہے۔ جس کی شدید مذمت کی جاتی ہے۔

۵۔ عراق کے خلاف اقتصادی پابندی صرف ظلم و زیادتی اور عراق کو مجبور و محصور کرنے کی کوشش ہے۔ جس کا سلسلہ بند کیا جانا چاہیے۔

۶۔ عرب اسرائیل تنازعہ کو ختم کرنے اور امن کی فضا پیدا کرنے کے لئے ہونے والی امن کانفرنس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک فلسطینی ریاست کے قیام کو تسلیم کرے۔ اور اسرائیل کو اس بات کے لئے مجبور کرے کہ وہ مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کر دے۔

اس بیان پر ستر علمار کے دستخط ہیں۔ جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر شعبۂ افتار جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ مولانا اعجاز احمد خاں شیخ الحدیث تدریس الاسلام بسڈیلہ بستی۔ مولانا محمد نعمان قادری صدر المدرسین الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد۔ مولانا شبیر حسن رضوی استاد الجامعۃ الاسلامیہ روناہی۔ مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی استاد الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، مولانا مطیع الرحمٰن مضطر شیخ الحدیث سراج العلوم برگدہی، مہاراج گنج، مولانا غلام عبد القادر علوی مہتمم فیض الرسول براؤں شریف سدھارتھ نگر، مولانا محمد حنیف قادری صدر المدرسین تنویر الاسلام امرڈوبھا بستی۔ مولانا بہار المصطفٰے قادری، استاد منظر اسلام بریلی، مولانا مقصود عالم رضوی امام جامع مسجد کوٹ گیٹ بھیونڈی، مولانا ظہیر حسن قادری صدر المدرسین ضیار العلوم خیر آباد مئو ناتھ بھنجن، مولانا عبد المبین نعمانی صدر المدرسین مدرسہ قادریہ چریاکوٹ مئو ناتھ بھنجن، قاری رضی اللہ صدیقی مہتمم مدرسہ اشرفیہ مانپور کھیرہ چھپرہ، مولانا علی احمد سیوانی سجادہ نشین خانقاہ حیدریہ حسن پورہ سیوان، مولانا محمد علی فاروقی مہتمم اصلاح المسلمین رائے پور، مولانا نعیم اختر خاں امام بلال مسجد قدوائی روڈ بمبئی، مختار احمد چیرمین ٹاؤن ایریا مبارکپور، ڈاکٹر عبد الاول جنرل سکریٹری اسلامی کوآپریٹو سوسائٹی مبارکپور۔ وغیرہم

اسوۂ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ مشتاق احمد نظامی

رضا اکیڈمی ممبئی کی جانب سے ۱۷ تا ۱۹ جنوری ۱۹۹۲ء عظیم الشان پیمانے پر جشن حضور مفتئ اعظم منایا گیا۔ وائی ایم سی میدان میں تینوں روز جلسے ہوئے۔ جن کی تفصیل ماہنامہ حجاز کے آئندہ شمارہ میں انشاء اللہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

۱۷ جنوری کو "خطبات نظامی" کی رسم اجراء مذکورہ میدان میں حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی (مانچسٹر، برطانیہ) کے ہاتھوں ادا ہوگی۔ اور اس کا پہلا نسخہ انہوں نے راقم سطور کو عنایت فرمایا۔ پیش خدمت ہے اسی خطبات نظامی کا ایک حصہ ——— اختر مصباحی

حضرات! میں نے معمول کے مطابق خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن مجید کی ایک متعارف اور مشہور آیت کی تلاوت کی ہے۔ اور آج کی سنجیدہ و متین نشست کے لئے میں نے اسی کو اپنا موضوع بنایا۔ اب وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ کوئی تفصیلی تمہید اٹھائی جائے۔ یا دیباچہ سنوارا جائے۔ اسلئے بغیر کسی تمہید و دیباچہ کے اس آیت کا مفہوم سماعت فرمائیں جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ خدائے قدیر کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝

تم میں ایک رسول مبعوث کیا جاتا ہے جسکی زندگی تمہارے حق میں نمونۂ عمل ہے۔

یعنی اے لوگو! اگر تم قرآنی زندگی جینا چاہتے ہو۔ زندگی کا چلن اور ڈھنگ سیکھنا چاہتے ہو یا دستر حیات کا بانکپن دیکھنا چاہتے ہو۔ زندگی کی جلوت و خلوت میں، زندگی کی صبح و شام کیسے گذرے۔ یہ زندگی اپنی منزل اور سمت سفر کیسے متعین کرے۔ اور اگر متعین کرلے تو اس طویل مسافت کو وہ کیسے طے کرے اس رہ گذر پر چلنے کی ادا کیا ہے۔ اس پگڈنڈی کے نشیب و فراز کیا ہیں۔ شاہراہ زندگی کے اجالے اور اندھیرے کیا ہیں۔ اس کی ہموار و ناہموار راہوں کو عبور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر زندگی کی پرپیچ راہوں اور خاردار جھاڑیوں سے دامن بچا کر گذر جانا چاہتے ہو تو امریکہ کی شاہ راہوں کو مت دیکھو۔ روس اور فرانس کی فلک بوس عمارتوں کے زیر سایہ زندگی کا سکون مت تلاش کرو۔ اگر صحیح معنوں میں تم کو اس کی تجسس و تلاش ہے تو آسمان بولتی عمارتوں کے سایہ میں زندگی کی راحت و سکون مت ڈھونڈو۔ بلکہ گنبد خضرا کی چھاؤں میں چلے آؤ اور مدینے کی گلیوں میں بسیرا ڈالو۔ یاد رہے زندگی وہ دیتا ہے جو خود زندہ ہو وہ مردہ قوم تمہیں زندگی کیا دے گی جس کی روح خود آب حیات کی پیاسی ہو۔ مجھے کہہ لینے دیجئے کہ وہ نام نہاد ترقی یافتہ قوم ہے جو انسانوں کے روپ میں اور انسانیت کی آبادی میں چلتا پھرتا جنازہ ہے۔ برطانیہ ہو یا فرانس، امریکہ ہو یا جاپان اس حمام میں سبھی ننگے ہیں۔ یہ تن کے اجلے من کے کالے بھلا تمہیں زندگی کیا دے سکتے ہیں۔ اسی لئے میں نے پہلے عرض کیا۔ زندگی وہ دیتا ہے جو خود زندہ ہو در خالی زندہ ہی نہیں بلکہ زندگی کا سرمایہ بھی رکھتا ہو۔ بھلا وہ زندگی کیا دے سکتا ہے جس کے پاس اس کی کانی کوڑی تک نہ ہو۔

حضرات! قرآن کا اشارہ اسی طرف ہے کہ اے زندگی کے متلاشیو! اگر تم اپنی نیت کے سچے اور ارادہ کے پکے ہو تو دربدر کی ٹھوکریں مت کھاؤ۔ ہر اونچ نیچ کی کنڈی مت کھٹکھٹاؤ۔ بلکہ سیدھے مدینے چلے آؤ اور ان کی بارگاہ کرم میں دست طلب دراز کرو۔ جو خود بھی زندہ ہے
زندگی بانٹ بھی رہا ہے ؎

ایک نکتہ: یہاں ایک نکتہ آپ پر واضح رہے کہ نبی کی موت ہم جیسی موت نہیں ہوتی۔ ہمارا مرنا یہ ہے کہ ہم رہے تو مر گئے مگر نبی ایک لمحے کے کروڑویں حصے کے برابر محض موت کا ذائقہ چکھتا ہے اور وہ محض اس قانون الٰہی کی تعمیل و تکمیل ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

لہٰذا اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ میرے سرکار کل بھی زندہ، آج بھی زندہ

وہ رب ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ وہ کسی اور کو بنا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ اور وہ زندہ نہ ہوگا جو مرگیا ہوگا۔ جو سڑ گل کر مٹی میں مل گیا ہوگا۔

میرے سرکار نے تو خود ہی فرمایا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

انبیاء کو بھی اجل آتی ہے — مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے

اسلئے میں کہتا ہوں کہ میرے سرکار نے پردہ فرمایا ہے۔ حضرات ! یہ میں بہت سوچ سمجھ، سوجھ بوجھ اور محتاط طور پر بول رہا ہوں۔ میں اس سلسلے میں آپ کو لائبریری اور کتب خانے کی سیر نہ کراؤں گا اور نہ ہی وہاں جانے کی زحمت دوں گا۔ اسی پنڈال میں بیٹھے بیٹھے مسئلہ حل کئے دیتا ہوں۔

اچھا اب آپ لوگ اپنی اپنی گھڑی دیکھئے اور جن کی کلائی میں گھڑی[عہ] نہ ہو تو وہ گھڑی والوں سے دریافت کرلیں۔ اس وقت گھڑی کیا بجا رہی ہے ؟ چھ اور دو بج گئے۔ بس اب تمام ہی حضرات انصاف و دیانت کا خون کئے بغیر بتائیں کہ ہمارے یہاں دو بج رہے ہیں تو کیا ساری دنیا میں رات کے دو بج رہے ہیں ؟ کیا امریکہ میں بھی ایسی ہی تاریکی پھیلی ہوئی ہے، تو کیا عالم اور سناٹا ہے ؟ نہیں ! معلوم ہوا کہ یہاں تاریکی ہے اور کہیں روشنی۔ یہاں رات اور کہیں دن۔ اس سے پتہ چلا اور یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ آفتاب چھپ جاتا ہے مٹ نہیں جاتا۔ معدوم اور فنا نہیں ہوتا —— لہٰذا اب مجھے کہہ لینے دیجئے یہ آسمان کا آفتاب ہے اور میرے سرکار آسمان نبوت کے آفتاب۔ اور آفتاب کا مزاج سمجھ میں آیا کہ آفتاب چھپ جاتا ہے مٹ نہیں جاتا۔ لہٰذا یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سرکار چھپ گئے ہیں مٹ نہیں گئے۔

اسی لئے امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

نوٹ :- میرے سرکار کو آفتاب سے کن کن وجوہ سے مماثلت، اور مشابہت ہے اس کی تفصیل "سراج منیر" کی تقریر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرات ! میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ اگر زندگی کے آداب اور طور طریقے سیکھنے ہوں تو امریکہ نہ جائیے مدینے کی پرسکون فضاؤں میں خراماں خراماں چلے آیئے۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

حضرات ! آپ میں سے کتنے لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ آج کس پاگل دیوانے سے سابقہ پڑ گیا۔ ساری دنیا تو امریکہ کا خطبہ پڑھ رہی ہے۔ امریکہ جانے کی خواہش ہے مگر نظامی کہتا ہے اگر زندگی سنوارنی بنانی ہے تو امریکہ نہ جاؤ مدینہ جاؤ میرے بھائی ! آج کی دنیا جس دھارے میں بہ رہی ہے اگر آپ نے ایسا سوچا تو کوئی مقام تعجب نہیں۔ مگر مجھے بولنے کی اجازت دیجئے کہ میں ایسا کیوں کہہ رہا ہوں۔

حضرات ! مجھے بھی تسلیم ہے کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں امریکہ سرفہرست ہے جس کی مادی ترقی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ انسان بڑھ رہا ہے انسانیت گھٹ رہی ہے۔ آدمی ترقی کی راہ میں دوڑ لگا رہا ہے۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے مگر آدمیت سسک رہی ہے جس کا جنازہ بے گور و کفن پڑا ہے۔ ان حالات میں آنکھ بند کرکے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے ہر طرح کی ترقی کرلی ہے۔ آج اس کی ترقی کا سارا دارو مدار یہ ہے کہ لوہے اور پتھر کو سنوار لے کوئلے اور ریڈیائی لہروں پر اپنی انرجی صرف کرتا ہے۔ اقبال نے ان سائنسی ایجادات پر فخر کرنے والوں کی بے چارگی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
علم و حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

اسلام اور سائنس کا فرق

ایٹمی توانائیوں کے اس ہوش ربا دور میں کیا کچھ ہو رہا ہے اس سے دنیا کا ہوشمند طبقہ بہت اچھی طرح واقف ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق بین الاقوامی سطح پر ابھی جاپان میں دنیا کے اعلیٰ سطح کے سائنسدانوں کی ایک عظیم کانفرنس ہوئی تھی جس میں کسی ملک کے نمائندے نے بیان دیا تھا کہ زمین دوز طور پر آج دنیا میں اتنے مہلک آتشی اسلحے موجود ہیں کہ اگر ان کو زمین کے اوپر استعمال کیا جائے تو ساری دنیا آن کی آن میں بھسم ہوکر خاکستر ہو جائے۔

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ آج کا سائنس داں طبقہ اپنے ملک کا اربوں کھربوں ڈالر اس بات پر خرچ کرتا ہے کہ کوئی ایسی چھوٹی سی چیز بنالیا جائے جسے کسی آبادی پر گرائی جائے جس کی زہریلی فضا سے کروڑہا انسان آن واحد میں ختم ہو جائیں۔ گویا امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ، چین یہ سوچ رہے ہیں کہ کروڑہا انسانوں کو آن واحد میں کیسے مارا جائے۔ لیکن ہمارا بوریہ نشین تاجدار اپنی ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر یہ سوچتا تھا کہ انسانوں کو جلایا کیسے جائے۔ کمزور و ناتواں کو توانائی کیسے بخشی جائے۔ اگر دلوں کا دروازہ کھلا ہوا اور دیدۂ اعتبار ہو تو دیکھو اور سوچو کہ دونوں میں کتنا بُعدُ المشرقین ہے۔ ایک موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے اور دوسرا زندگی کی بھرپور توانائیوں سے نوازنا چاہتا ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ زندگی کی سوغات و برکات لینے کیلئے ہم آپ کو امریکہ بھیجیں یا مدینہ ؟

سائنس اور اسلام کا ایک دوسرا فرق

حضرات ! سائنس اور اسلام کا ایک دوسرا فرق بھی ملاحظہ فرمایئے میں نے ابھی عرض کیا کہ سائنس نے اپنی انرجی دوسروں پر خرچ کی اور اس سے فائدہ اٹھایا مثلاً لاؤڈ اسپیکر، ریڈیو، ٹیلی ویژن اس طرح کی اور دوسری بہت نئی ایجادات جو آپ کے مشاہدہ میں ہیں مگر اس کے مقابل اسلام کا یہ کہنا ہے تم میں کس چیز کی کمی ہے۔ تم اپنے دل کو سنوارو اور ساری کائنات پر حکمرانی کرو۔ ریڈیو کا تار ٹوٹ جائے۔ بیگم واجد علی کا پاندان معلوم ہو۔ لیکن اگر یہ دل

[عہ] میں نے کلائی کی قید سے لگائی کو گھڑی جیب میں اس طرح ہو گئی جیسے کوئی ..... میں بند ہو جائے۔

سنور جائے تو کلکتہ میں بولو بمبئی والے نہیں۔ چنانچہ ہمارے یہاں معلمین و متعلمین کی دو ایسی جماعتیں گذری ہیں۔ ایک مشائین اور دوسری اشراقین کی۔

مشائین وہ گروہ ہے جو چل پھر کر پڑھتا اور پڑھاتا تھا۔ اور اشراقین وہ جماعت ہے جو اشراقی نوری سے پڑھتا تھا۔ استاد مدارس میں اور شاگرد حیدرآباد۔ استاد نے وہاں سے پڑھایا اور شاگرد نے یہاں پڑھ لیا کسی نے اچھا ہی کہا ہے۔ ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی،

اسی لئے میرے سرکار نے فرمایا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ جس نے اپنے کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

یہ حقیقت آپ پر واضح رہے۔ اس کائنات میں خدا ہی کو پہچاننا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ مگر جب آدمی اپنے کو پہچاننے کے بعد رب کو پہچان سکتا ہے تو بھلا مخلوقات کو کیوں نہیں پہچان سکتا۔

حضرات! دوسرے مقام پر سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان فی جسد الانسان مضغة فاذا صلحت صلح کله واذا فسدت فسد کله۔ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو پورے بدن کی اصلاح ہو جائے۔ اور اگر اس میں فساد آجائے تو پورا بدن بگڑ جائے۔

یہی اسلام اور سائنس کا بنیادی فرق ہے کہ سائنس دوسروں کو پہچانتی اور جانتی ہے اور اسلام خود تمہارے دل و دماغ کی اصلاح کرتا ہے۔ ذہن و فکر کی تطہیر کرتا ہے۔ بدن اور روح دونوں کو طہارت و پاکیزگی بخشتا ہے۔ وہ بدن کو آداب زندگی سکھاتا ہے اور روح کو صیقل کر کے لذت سجدہ اور ذوق عبادت سے آشنا کرتا ہے۔

لہٰذا اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ دستور زندگی لینے کے لئے نہیں امریکہ جانا ہے یا مدینہ؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرات! آپ میں سے بعض احباب یہ ضرور سوچتے ہوں گے کہ "مشتاق نظامی" الٹی گنگا بہانے کی کوشش کر رہا ہے اور الفاظ پر زور دے کر ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتا ہے۔

محترم حضرات! ایسا نہیں ہے۔ میں خطابت کا جادو جگا کر آپ کو اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتا، نہ تو میرا یہ منصب ہے اور نہ ہی اس ذمہ داری کا تقاضہ۔ دہلی، سکنڈ سکنڈ جس کی پاسداری مجھے ملحوظ ہے۔

اب میں بہت ہی واضح الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی عرض کر رہا ہوں یہ کوئی فکری و نظری مسئلہ نہیں ہے۔ آپ یہ سوچتے ہوں گے کہ آج کی دنیا میں امریکہ کی ترقی سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ وہ ساری دنیا کو ڈالر بانٹ رہا ہے۔

مرے بھائی! یہی تو وہ راز سربستہ ہے جس نے بہتوں کی آنکھوں میں پٹی باندھ رکھی ہے۔

اس مقام پر میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ "ڈالر تقسیم کرنے" کا کیا یہ مفہوم ہے کہ امریکہ چھوٹے ممالک کو خیرات و زکوٰۃ تقسیم کر رہا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں

اگر آپ ایسا سمجھ رہے ہیں تو تاریخ و واقعات کی بہت بڑی بھول میں مبتلا ہیں!

اب میں آپ کو ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں۔ دو برس پہلے کی بات ہے کہ ہمارے ہی ملک "ہندوستان" نے کسی معاملہ میں "کناڈا گورنمنٹ" سے قرض چاہا تھا۔ اس ملک نے کا جواب یہ تھا کہ دوسرا نیا قرض اس وقت ملے گا جب کہ پہلے قرض کی اصل رقم باقی رکھتے ہوئے اس کا سود در سود ادا کر دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بڑے ممالک چھوٹے ممالک کے بدن کا خون "جونک" کی طرح چوس رہے ہیں۔ کوئی بھی بڑا ملک ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس سے چھوٹا ملک اس کا ہمسر اور مقابل ہو جائے۔

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو امریکہ دنیا کو ڈالر تقسیم کر رہا ہے کیا اس ملک میں سائل و گداگر نہیں ہیں؟

حضرات! جہاں تک میری محدود معلومات کا تعلق ہے امریکہ میں بھی سائل ہیں۔ وہاں بھی دامن پھیلانے والے ہیں۔ خدارا انصاف کرو۔ جو اپنے ملک کی بھوک مری ختم نہ کر سکا وہ تمہارے دیس کی دریوزہ گری کیسے ختم کر سکتا ہے اس کے برخلاف تاریخ اسلام کا ایک زریں واقعہ سماعت فرمائیں جو محض فکری و نظری نہیں بلکہ مشاہدے میں آچکا ہے۔

اسی دھرتی پر ایک دور ایسا بھی گذرا ہے کہ ایک روز زکوٰۃ تقسیم کرنے والا درہم و دینار کی تھیلی لے کر مدینے کی گلی کے ایک سرے سے چلتا ہے اور منادی آواز دیتا ہے کون ہے زکوٰۃ کا لینے والا۔ حتیٰ کہ گلی کے دوسرے کنارے پر آجاتا ہے مگر کوئی دامن کا پھیلانے والا نہ مل سکا۔ مجھے دریافت کرنے کا حق دیجئے کہ آج زکوٰۃ لینے والا کیوں نہیں مل رہا ہے۔ مرے بھائیو! زمین نے سونا اگل دیا ہے یا آسمان نے ہیرے برسا دئے ہیں۔؟

حضرات! نہ تو زمین نے سونا اگلا ہے اور نہ ہی آسمان نے جواہرات کی بارش کی ہے۔ اب یہاں اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اللہ کی بچھائی ہوئی زمین پر میرے مصطفےٰ کا قانون چل رہا تھا۔ انھیں واقعات و حقائق کی روشنی میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا اگر امن و شانتی کی متلاشی ہے، راحت و سکون کی طلبگار ہے، اپنے ملک سے غریبی ختم کرنا چاہتی ہے تو امریکہ نہ جائے مدینہ والے سرکار کی بارگاہ کرم میں آجائے۔ اس مقننِ اعظم اور قانون ساز کی آغوشِ رحمت میں آئے جس کا پیغام محض فکری و نظری نہیں ہے۔ بلکہ عملاً مشاہدے میں آچکا ہے معلوم ہوا خباری پروپگنڈے اور پریس کی طاقت کے بل بوتے کسی ملک و قوم کو راحت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک صالح و صحت مند معاشرے کو وجود بخشا جائے جس میں انسانی قدریں محفوظ ہوں۔ اور وہ سماج انسانی کی پامالی پر انسانیت کی بحالی کو فوقیت دیتا ہو۔

واضح ہو کہ دھوکہ دھڑی، دجل و فریب، عیاری و مکاری کی گرم بازاری کے اس دور میں اگر ایسا صحت مند معاشرہ کہیں سے میسر آسکتا ہے تو وہ سرورِ کونین کی تریسٹھ سالہ مبارک زندگی ہے جسے تاریخ اسلام نے ہمیشہ کے لئے اپنی آغوشِ رحمت میں سمیٹ لیا ہے۔

اے دوستو! اگر زندگی کا بانکپن و خم لینا چاہتے ہو تو کہیں اور نہ جاؤ ؏ گنبد خضرا کی چھاؤں میں آجاؤ
جہاں تشنہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور دھڑکتے دلوں کو سکون ملتا ہے۔

حضرات! میں اب تک ایک ذیلی و ضمنی گفتگو میں الجھا رہ گیا تھا، مگر وہ گفتگو بھی آج کے حالات اور عصری مزاج کی اصلاح و سدھار کے لئے بہت ہی اہم اور ضروری تھی۔

اب میں اپنے اصل موضوع سے وابستہ ہو رہا ہوں۔ پھر ذہن میں نوٹ کر لیجئے۔ آج میری تقریر کا عنوان ہے روح اور روحانیت۔ آج کی نشست میں مجھے انھیں دونوں کا خط امتیاز اور حد فاصل ظاہر کرنا ہے مگر اب تک جو کچھ میں نے عرض کیا ہے۔ وہ اصل موضوع سے غیر متعلق بھی نہیں ہے۔ اصل گفتگو نہ سہی مگر موضوع کی کھلی تمہید ضرور ہے۔

حضرات! روح اور روحانیت مرا عنوان ہے۔ آج روح روح کا نعرہ زور پر ہے۔ روح کا چارہ ہر جگہ فراہم کیا جا رہا ہے مگر اے دانشورو! اس کا بھی تو سراغ لگاؤ کہ روحانیت کا جلوہ کہاں ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ چھٹی رجب کو تقریباً بیس لاکھ کا مجمع سلطان ہند خواجۂ خواجگاں، خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے یہاں پہنچ گیا۔ ایک میلہ ہے جو چلا جا رہا ہے، ہجوم ہے کہ دوڑا جا رہا ہے۔ کارواں ہے کہ بھاگا جا رہا ہے۔ اسی منظر کو عارف باللہ سرکار اسحٰق نے اس طرح پیش فرمایا ہے

اس کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ہوگا کسی گلی میں تو میلہ ... لگا ہوا

مجھے آپ حضرات بتائیے یہ دوڑنے والا کون ہے؟ چلنے والا کون ہے، اجمیر جانے والا کون ہے؟ حضرات! آپ کو معلوم ہونا چاہئے یہ روح والا ہے جو اجمیر بھاگا جا رہا ہے۔ اور اجمیر کا وہ راجہ جو دھولے گنبد میں آرام فرما رہا ہے وہ روحانیت والا ہے۔ وہاں روح کا جلوہ ہے اور یہاں روحانیت کی جلوہ گری ہے۔ اگر اس میں کوئی کشش اور مقناطیسیت نہ ہوتی تو بیس لاکھ کا مجمع دوڑا کیوں جا رہا ہے۔ روح اور روحانیت کا یہی وہ خط امتیاز ہے جو ایک کو دوسرے سے الگ کر دیتا ہے۔

اب آپ اس متن کی توضیح و تشریح سماعت فرمائیے۔

تصویر کا پہلا رُخ سب سے پہلے انسانی وجود کے نقطۂ آغاز کا ہلکا پھلکا سرسری جائزہ لیجئے۔ انسان رحم مادر میں سب سے پہلے چند قطرات ہے۔ پھر وہ خون ہوا۔ اور خون سے گوشت، حتیٰ کے تھوڑے دنوں بعد اب گوشت کا ایک لوتھڑا بن گیا۔ یہاں تک دن بیتتے گئے، اور مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے حتیٰ کہ اب اس گوشت کے لوتھڑے میں اعضا نمودار ہو گئے۔ یہ انگلیاں ہیں، یہ گردن ہے، ٹھڈی ہے، ہونٹ ہے، یہ تلوا ہے، یہ پنجہ ہے، یہ پنڈلی ہے، ران ہے، شکم ہے سینہ ہے، کندھا ہے، بازو ہے، کلائی ہے، ہتھیلی ہے، زبان ہے، رخسار ہے۔ کنپٹی ہے، آنکھ ہے۔ سفیدی ہے، سیاہی ہے، پتلی ہے، مژگان ہے، بھوں، کان ہے، پیشانی ہے، سر ہے، اور بال ہے۔ غرض کہ پاؤں کے ناخون سے لے کر سر کے بال تک مکمل مجسمہ تیار ہے۔

مگر پیارے! حال یہ ہے کہ کان ہے مگر سنتا نہیں۔ آنکھ ہے دیکھتی نہیں زبان ہے بولتی نہیں، ہاتھ ہے جنبش نہیں، پاؤں ہے چلتا نہیں۔ معلوم ہوا آنکھ ہے مگر بیکار، کان ہے مگر بیکار۔ حتیٰ کہ سب کچھ ہے مگر سب کچھ بیکار۔ اب حقیقت آشکارا ہو گئی کہ آنکھ خود نہیں دیکھتی۔ آنکھ کا ڈھیلا نہیں دیکھتا۔

معلوم ہوا کہ آنکھ کے جھروکے سے روح جھانکتی ہے۔ کان خود نہیں سنتا اس کے پردے پر روح کی پہرہ داری ہے۔ محسوس ہوا روح نہیں تھی تو سب بیکار۔ اور روح آگئی تو سب باکار۔ اب آنکھ دیکھ رہی ہے۔ کان سن رہا ہے۔ ہاتھ میں حرکت ہے۔ پاؤں میں جنبش ہے۔

دوستو! بتاؤ یہ کس کی جلوہ گری ہے "روح کی" اور اتنی نازک ہے اگر سرمہ لگاتے وقت ہاتھ کی سلائی بہک جائے تو تمام دن گرم گرم آنسو بہے۔ رومال تر بتر ہو جائے۔ آنکھ سرخ ہو جائے۔ لیکن اے دوستو! یہی روح اگر جسم کا ساتھ چھوڑ دے تو آنکھ کا ڈھیلا نکال کر زمین پر رکھ دو۔ بدن کو بوٹی بوٹی قیمہ قیمہ کر ڈالو۔ ہڈی کو چور چور کر دو۔ نہ حرکت ہے نہ جنبش ہے نہ آہ ہے نہ اُف ہے

معلوم ہوا روح ہے تو سب باکار۔ روح نہیں تو سب بے کار۔ چلنا پھرنا دوڑنا، دھوپنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ہنسنا رونا، بولنا چالنا، کھانا پینا، آنا جانا گویا ان جملہ حرکات و سکنات کے پیچھے روح اور صرف روح کی جلوہ گری ہے۔ اسی کی حکمرانی و کارفرمائی ہے غرض کہ روح ہے تو یہ سارے مناظر و مظاہر زندہ ہیں۔ اور جہاں روح نے ساتھ چھوڑا اب وہ ایک نعش ہے۔ جنازہ ہے۔ گویا یہ وہ مقام ہے جہاں روح کی جلوہ گری ہے۔

مگر اے دوستو! یہ تو بتاؤ "روح" آنے کے بعد آنکھ دیکھتی تو ہے لیکن کیا ایسا ہے کہ بمبئی سے کلکتہ دیکھو، مدراس سے دلی دیکھو، حیدرآباد سے بنگلور دیکھو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ! کان سنتا تو ہے لیکن کیا ایسا ہے احمدآباد سے کانپور کی بات سنو۔ لکھنؤ سے کاٹھیاواڑ کی بات سنو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیا معلوم ہوا۔ کان سنتا تو ہے مگر اپنے محدود حلقوں تک سنتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ۔ ایسے ہی آنکھ دیکھتی تو ہے مگر زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ گویا آنکھ اور کان کا دیکھنا سننا کچھ فاصلوں تک محدود ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ مگر اے دوستو! یہ تو بتاؤ کہ خلیفۂ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور تین سو میل کی دوری پر مقام نہاوند میں جنگ لڑی جا رہی ہے جس کے امیر کارواں حضرت ساریہ ہیں۔ حق و باطل کی اس معرکہ آرائی میں حضرت ساریہ سے معمولی سی غفلت ہو گئی۔ یہ دیکھتے ہوئے امیرالمومنین نے خدشہ محسوس کیا کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن حملہ آور ہو جائے۔ چنانچہ خطبہ دیتے ہوئے امیرالمومنین نے حضرت ساریہ کو آواز دی یا ساریۃ الجبل، یا ساریۃ الجبل، یا ساریۃ الجبل۔

حضرات! نہ تو کوئی دوربین ہے، نہ ریڈیو اسٹیشن، نہ براڈکاسٹنگ کا کوئی نظم اور نہ ہی ریڈیائی لہریں۔ اب کوئی مجھے بتلائے وہ کون سی آنکھ ہے جو تین سو میل کی دوری کو دیکھ رہی ہے اور وہ کون سا کان ہے جو تین سو میل کی آواز سن رہا ہے۔

لہٰذا اب مجھے کہہ لینے دیجئے! یہاں روح نہیں روحانیت کا جلوہ ہے۔ صرف روح والی آنکھ نہیں روحانیت والی آنکھ دیکھ رہی ہے۔ پیارے روح والا کان نہیں، روحانیت والا کان سن رہا ہے۔ روح والی آنکھ ایک فرلانگ دیکھے، روح والا کان مشکل سے ایک فرلانگ سنے مگر یہ روحانیت کا مقام ہے کہ تین سو میل کی دوری کو دیکھے اور تین سو میل کی دوری سے سنے۔

حضرات! اسے بھی اتفاق ہی کہئے کہ تین سو میل کی دوری پر یہ جنگ ہو رہی تھی اگر یہ جنگ تین ہزار میل کی دوری پر لڑی جا رہی ہوتی تو نگاہ فاروق وہاں بھی دیکھتی۔ اور "ساریہ" کا کان وہاں سے بھی سنتا۔

معلوم ہوا روح کا مقام اور ہے اور روحانیت کا مقام اور۔

حضرات! یہاں پہنچ کر ایک ضروری بات ذہن نشین کر لیجئے کہ آخر یہ موضوع میں نے اپنایا کیوں؟ اس کا مقصد و مدعا کیا ہے؟

ضروری بات: حضرات! آپ پر واضح ہو جانا چاہئے کہ مجھے بتانا یہ ہے کہ اس جسم کا تعلق محض روح سے ہے یا روحانیت سے بھی۔ اگر محض روح سے ہے تو ہوگا یہ کہ روح اگر جاتی رہی تو جسم برباد ہو جائے گا۔ سڑ جائے گا، گل جائے گا لیکن اگر جسم کا تعلق روح اور روحانیت دونوں سے ہے تو روح جاتی رہے گی مگر آنکھ دیکھتی رہے گی، کان سنتا رہیگا۔ بتائیے! حسین دیکھتے ہیں، غوث اعظم سنتے ہیں، غریب نواز دستگیری فرماتے ہیں۔ آخر کیوں؟ محسوس ہوا یہ روح والے ہی نہیں روحانیت والے بھی ہیں۔

ایک اصول: اسے آپ بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ قرب اور صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً آپ لوگ کہتے ہیں چمیلی کا تیل، بیلے کا تیل، روغن گلاب۔ تو سچ بتائیے کیا چمیلی سے تیل نکالا گیا ہے، بیلا سے نکالا گیا ہے، آپ یقیناً کہیں گے، ہرگز نہیں تو پھر اسے بیلے کا تیل کیوں کہا گیا چمیلی کا تیل کیوں کہا گیا۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک تیل تل کا ہے۔ تعجب ہے تیل تل سے نکالا جائے اور بیلا اور چمیلی کا تیل کہا جائے آخر آپ کچھ تو فرمائیں گے۔ یہی نا کہیں گے کہ ہر تیل تل کا ہے مگر جو تل چمیلی کے آغوش میں گیا وہ مہک اٹھا۔ جسے گلاب کی صحبت میسر آئی اسے گلاب نے مہکا دیا جسے بیلے کا قرب حاصل ہوا اسے بیلے کی خوشبو مل گئی۔ جیسے حضرت سعدی نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے ... رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ... کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ... ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ... وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

لہٰذا اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ اگر بیلا، چمیلی، گلاب، اپنا اپنا اثر دکھا سکتے ہیں مؤثر اور اثر انداز ہو سکتے ہیں تو کیا روح اور روحانیت کے اثرات نہ ہوں گے؟ ہوں گے اور یقیناً ہوں گے۔

حضرات! ابھی میں نے آپ سے کہا تھا کہ آنکھ ہے مگر دیکھتی نہیں ہے، کان ہے مگر سنتا نہیں ہے۔ مگر آنکھ نے دیکھا، کان نے سنا۔ کب دیکھا اور کب سنا۔ جب روح آئی تب۔ یہ کس کا اثر ہے، روح کا۔ مگر یہ آنکھ کتنا دیکھے۔ ایک فرلانگ اور کان کتنا سنے ایک فرلانگ۔ اور ایک آنکھ تو وہ بھی ہے جو تین سو میل کی دوری دیکھے اور ایک کان وہ بھی ہے جو تین سو میل کی آواز سنے۔ یہ کس کا اثر ہے، روحانیت کا۔

حقیقت واضح ہو گئی کہ روح اور روحانیت کے الگ الگ اثرات ہیں۔ روح اپنے حدود میں کام کرتی ہے اور روحانیت اپنی وسعتوں میں پرواز کرتی ہے۔ روح جہاں نہ دیکھے روحانیت وہاں دیکھے۔ روح جہاں نہ سنے روحانیت وہاں سنے۔

؏ کوئی اڑ کے رہ گیا بام تک کوئی کہکشاں سے گذر گیا

ایک ضابطہ: اب اس مقام پر ضروری ہے کہ آپ کو ایک ضابطہ سمجھا دیا جائے۔ دوستو! ضابطہ یہ ہے کہ مؤثر جتنا ہی قوی اور منضبط ہوگا اثر اس کا اسی قدر دیرپا اور پائدار ہوگا۔ مثلاً گلاب، بیلا، چمیلی یہ سب مؤثر ہیں۔ ان کا اثر یہ ہے کہ انھوں نے تل کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اپنی خوشبو سے مہکا دیا۔ مگر یہ ایک عارضی خوشبو ہے۔ انقلاب حقیقت و ماہیت نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تیل تیل نہ رہ گیا۔ تیل تیل ہی ہے۔ بس ہوا یہ ہے کہ گل کی صحبت نے اسے مہکا دیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ تیل کئی برس رکھا رہ جائے تو دھیرے دھیرے اس کی خوشبو اڑتی جائے گی۔ زائل ہوتی جائے گی حتی کہ ایک طویل وقفہ کے بعد یہ امتیاز باقی نہ رہے گا کہ اس میں بیلے کا تیل کون ہے اور چمیلی اور گلاب کا کون۔ یعنی دھیرے دھیرے خوشبو اڑتی گئی اور آخر میں یہ کہنا پڑا کہ تل کا تیل ہے۔

محسوس ہوا کہ مؤثر جتنا قوی تھا اس کا اثر بھی اسی طرح باقی رہا۔ بعض جنس اثرات تو بہت ہی ضعیف و کمزور ہوتے ہیں۔ مثلاً رومال میں عطر حنا لگا کر فوراً کسی گلی سے گذر جائیے تو گلی کا گوشہ گوشہ مہک جائے گا۔ اور ہفتہ عشرہ بعد گذر ئیے تو اب بجائے عطر کے پسینے کی باس آئے گی۔ محسوس ہوا کہ بہت ہی کمزور مؤثر ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ: لیکن مؤثر جب زیادہ قوی ہوتا ہے تو اس کا اثر عارضی نہیں رہتا۔ بلکہ بسا اوقات حقیقت بدل جاتی ہے گویا انقلاب ماہیت ہوتا ہے۔ مثلاً فلاسفہ کا کہنا ہے کہ عناصر میں کون و فساد ہوتا ہے۔

کون و فساد کا مفہوم یہ ہے "ایک صورت نوعیہ کو چھوڑ کر دوسری صورت نوعیہ کا اختیار کر لینا۔ چھوڑنے کا نام فساد ہے اور اختیار کرنے کا نام کون ہے۔ مثلاً ہوا کا پانی ہو جانا، یا پانی کا ہوا سے بدل جانا اس کو فلاسفہ کون و فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب اس کو ایک مثال سے سمجھئے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ ضابطہ قلب و جگر میں اپنی جگہ بنائے گا۔ مثلاً گرمی میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر لوٹے میں پانی ڈالا جائے اور برف زیادہ ڈال دی جائے تو کچھ دیر کے بعد آپ دیکھیں گے کہ لوٹے کی سطح بالائی پر پانی نمودار ہو رہا ہے۔ گویا جس طرح ہلکی سی ورزش میں پسینہ نمودار ہو پھر وہ پانی ہلکی ہلکی بوند بنے گا اور ڈھلکنے لگے گا۔ تو کیا ایسا ہے کہ لوٹے میں بہت چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں اور پانی اسی سے نکل رہا ہے۔ آپ کہیں گے نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ پانی کیسا؟ حضرات! یہی ہے فلاسفہ کا کون و فساد۔ پانی لوٹے کے اندر سے نہیں آ رہا ہے بلکہ برف کی وجہ سے لوٹا اس قدر ٹھنڈا ہو گیا ہے کہ اس کی اوپری سطح سے جو ہوا اس کو چھو جاتی ہے وہ ہوا، ہوا نہیں رہ جاتی ہے بلکہ پانی سے بدل جاتی ہے۔ اسی کا نام ہے کون و فساد۔

یعنی عناصر کا ایک صورت نوعیہ کو چھوڑ کر دوسری صورت نوعیہ اختیار کر لینا۔ واضح رہے یہ مؤثر عارضی نہیں ہے بلکہ یہاں انقلاب حقیقت و ماہیت ہے۔ اب ہوا "ہوا" نہیں رہ گئی بلکہ اس نے پانی کا روپ دھار لیا۔ حقیقت میں انقلاب آ گیا۔

اب آنکھیں کھولئے، ہوش و گوش سے آنے والی گفتگو سماعت فرمائیے!

حضرات! اسے تو آپ نے تسلیم ہی کر لیا کہ اگر دامن میں عطر لگا کے گذر جائیں تو کوچہ کوچہ گلی گلی مہک جائے۔ مگر یہ بہت ہی کمزور تر مؤثر ہے۔ دو چار روز بعد اثر جاتا رہے گا۔ لیکن گلاب، بیلا، چمیلی نے جو تل پر اثر ڈالا ہے وہ اس سے مضبوط تر ہے جس کی خوشبو برسوں باقی رہے گی اور لوہے کی ٹھنڈک جو ہوا پر اثر انداز ہوئی ہے وہ قوی سے قوی تر ہے حتیٰ کہ ماہیت وحقیقت کا انقلاب ہو گیا۔ چنانچہ اب ہوا، ہوا نہ رہی بلکہ پانی سے بدل گئی۔ لہٰذا اب خیال فرمائیے کہ آنکھ نہ دیکھے مگر روح آئے تو دیکھنے لگے۔ کان نہ سنے مگر روح آئے تو کان سننے لگے۔ یہ کس کا اثر ہے، روح کا۔ لیکن یہ آنکھ اپنے محدود حلقوں میں دیکھے اور کان اپنی حد بندیوں سے آگے نہ سنے۔ یہ عام ارواح کا عالم ہے لیکن یہی روح جب صیقل ہو کر روحانیت کا درجہ حاصل کر لے تو تین سو میل دیکھے اور تین سو میل سے سنے۔

تبھی لوگو مجھے کہہ لینے دو کہ جب ارواح کا یہ عالم ہے تو میرے مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور روحانیت کا کیا عالم ہوگا ان کا اثر کتنا قوی اور مضبوط ہوگا۔ چنانچہ روح کا وجود ہے مگر دیکھی نہیں جاتی۔ جیسے ہوا۔ اس کا وجود ہے مگر آنکھوں کی گرفت سے ماوراء ہے۔ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ بس ایسے ہی روح۔ اگر دیکھی نہیں جاتی تو اس کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔ عام ارواح کا عالم تو یہ ہے کہ ہماری اور آپ کی روح نظر نہیں آتی مگر جسم نظر آتا ہے مگر میرے مصطفےٰ کی روح کا اثر یہ ہے کہ نہ روح کا سایہ نظر آتا ہے اور نہ ہی جسم کا سایہ نظر آتا ہے۔ روحِ مصطفےٰ اس قدر پاکیزہ ولطیف ہے۔ اور اسی قدر مؤثر کہ جسم کو بھی اپنے ہی سانچے میں ڈھال لیا۔ چنانچہ نہ روح کا سایہ اور نہ جسم کا سایہ۔ یہ تو پیارے روح کا اثر ہے۔ اب جو اس روح کی روحانیت ہے اس کا اثر یہ ہے کہ جسمِ مصطفےٰ پر جو کپڑا آ جائے اس کا بھی سایہ نہ پڑے۔ چنانچہ صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہ تو ہم نے سورج کی دھوپ میں دیکھا اور نہ ہی چاند کی چاندنی میں۔ گویا روح نے بدن پر اثر ڈالا کہ جسم کا سایہ نہ ہو اور روحانیت اس سے بھی قوی تر مؤثر ہوئی کہ کملی اور پیراہنِ مبارک تک کا سایہ نہ پڑے۔ نور ایسا لطیف و پاکیزہ کہ اگر حجرۂ عائشہ میں مسکرا دیں تو دندانِ مبارک کی روشنی سے حضرت سیدہ عائشہ کی گم شدہ سوئی مل جائے۔ اور اگر دستِ مبارک سے کسی صحابی کی لکڑی چھو لیں تو اس میں سے روشنی پھوٹ پڑے حتیٰ کہ وہ اپنی راہ رات کی تاریکی میں اس کی روشنی سے طے کر لیں۔ گویا لکڑی نہیں ٹارچ ہے جو روشنی کا کام کر رہی ہے۔

حضرات! یہ تو روحِ مصطفےٰ کا اثر ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر دیکھئے کہ خود سرکار کا جسم مبارک کتنا مؤثر ہے۔ ہمارے بدن کا پسینہ بدبودار ہو جس کی بدبو ہم خود نہ برداشت کر سکیں اور وہی پسینہ نبی کے مسامات سے خارج ہو تو عطر کے کارخانے بھی سر نیاز جھکا دیں۔ بلکہ سیدنا امام احمد رضا کی زبان میں تو یوں کہا جا سکتا ہے ؎

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگیں نہ کبھی عطر نہ پھر چاہیں دلہن پھول

حضرات! یہ انقلاب حقیقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ہمارے اور آپ کے بول وبراز سے دنیا نفرت وگھن محسوس کرے اور حضرت بریعہ سرکار کا پیشاب رات کی تاریکی میں پی جائیں تو پانی وپیشاب میں فرق نہ محسوس کریں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے حق میں وہ شفا ہو جائے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

ایک سوال کا جواب

حضرات! ابھی میں نے آپ سے عرض کیا کہ سرکار کی روح اس قدر مؤثر ہے کہ اس کا سایہ نہیں تو جسمِ مصطفےٰ کا بھی سایہ نہیں۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ روح نظر نہیں آتی تو جسمِ مصطفےٰ کو بھی نظر نہیں آنا چاہئے تھا؟

میں عرض کروں گا جناب کمال اور اعجازِ مصطفےٰ تو یہی ہے کہ جسم نظر آ رہا ہے اور سایہ بھی نہیں ہے۔ اگر جسم نظر نہ آکر سایہ نظر آتا تو یہ ایک طبعی، ذاتی اور فطری امر کہا جاتا۔ گویا ایسا تو ہوا ہی کرتا ہے مگر انتہائے کمال تو یہ ہے کہ جسم دیکھا بھی جا رہا ہے اور سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ جیسے روح نظر نہیں آتی اور اس کا سایہ بھی نظر نہیں آتا تو یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ بات تو جب حیرت انگیز ہوتی کہ روح نظر نہ آتی اور اس کا سایہ نظر آتا تب اسے خرقِ الفطرت میں شمار کیا جاتا۔ روح جسم کا لباس نہ پہنے اور پھر اس کا سایہ نظر آئے تو یہ اس کا کمال ہے۔ چونکہ یہ سایہ روح کا نہیں جسم کا ہے۔ ایسے ہی جسمِ مصطفےٰ نظر نہ آئے اور سایہ بھی نہ پڑے تو یہ کمال نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ جسم دیکھا جا رہا ہے مرئی ہے مگر سایہ نہیں نظر آ رہا ہے۔ میرے سرکار کی تو شان ہی نرالی ہے۔ گویا بدن بھی مؤثر، روح بھی مؤثر، روحانیت بھی مؤثر، ہر ہر عضو مؤثر، ہر ہر ادا مؤثر۔

حضرات! روح اور روحانیت سے متعلق اصول وضابطے کی روشنی میں یہ ایک تمہیدی تصویر تھی۔ اب پھر دھیان میں آ جائیے یعنی روح اور روحانیت کا خطِ امتیاز، اب میں چاہتا ہوں کہ اسے واقعات اور مشاہدات کی روشنی میں سمجھایا جائے تاکہ دونوں کے درمیان ایسی واضح لکیر پڑ جائے جس طرح گنگا جمنا کے سنگم کی کشادہ لائن نشاندہی کرتی ہے کہ یہ گنگا ہے اور وہ جمنا۔ جمنا کا پانی ہرا ہوگا، گنگا کا مٹیالے رنگ کا اور لائن نیلے رنگ کی۔

اب ذہنی وفکری توانائیوں کے ساتھ مخاطب ہو جائیے تاکہ آپ پر روح اور روحانیت کا خطِ امتیاز واضح ہو سکے۔

ایک بار کسی نیاز مند متوسل نے حضرت مخدوم کلیری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور ہم فنا اور بقا بولتے تو ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ فنا کیا ہے بقا کیا ہے۔ حضرت مخدوم پاک نے فرمایا جواب آج نہیں دوں گا پھر کبھی۔ اس سے کوئی یہ نہ خیال کرے کہ حضرت کو جواب نہیں معلوم تھا۔ کتابیں لغات اور کتب خانے کا سہارا لے کر جواب عطا فرمائیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ایک جواب فکری ونظری ہوتا ہے اور دوسرا مشاہدے کا۔ مثلاً آپ نے کبھی شیر نہیں دیکھا تھا کسی سے دریافت کیا کہ بھائی صاحب شیر کیسا ہوتا ہے۔ اس نے آپ کو سمجھایا بہت ہی قوی ہیکل ہوتا ہے۔ ڈھائی تین فٹ اونچا، چار ساڑھے چار فٹ لمبا بڑے بڑے ناخون، چار ٹانگ، کھلے جبڑے والا۔ دھاڑیں ایسی مارتا ہے جیسے بادل گرجے تو آپ کا ایک تصور وخیال جم جائے گا چونکہ آپ نے کبھی دیکھا نہیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ بھیڑیے اور چیتے کو دیکھ کر آپ شیر سمجھ لیں۔ برخلاف اس کے آپ نے مولانا عبد الرزاق جبل پوری سے کہا میں نے کبھی شیر نہیں دیکھا شیر کیسا ہوتا ہے۔ وہ آپ کو لئے ہوئے سیدھے رانی باغ چلے

گئے اور اس کٹہرے کے سامنے کھڑا کر دیا جہاں شیر دھاڑیں مار رہا تھا۔ اور بتا دیجئے وہ شیراب فکری، نظری، تصوراتی و خیالاتی جواب نہیں ہے جسمیں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہو بلکہ یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے جسمیں شک وارتیاب کا شائبہ تک نہیں۔ گویا حضور مخدوم پاک اسے فکری و نظری جواب دینا نہیں چاہتے تھے بلکہ مشاہدے سے اسے آپ یوں بھی سمجھئے

ایک دوسری مثال

ایک بار کسی معتقد نے ایک مولوی صاحب سے سوال کیا حضور آج کا مسلمان کیسا بدعقیدہ ہے کہ وہ اس طرح کی غلط آرزوئیں کرتا ہے کہ خداوندا! مرنے کے بعد قبر کے لئے اجمیر میں دو گز زمین مل جائے۔ بغداد اور کلیر میں مل جائے حالانکہ اس سے ہوتا کیا ہے اگر گنہگار و خطا کار ہے تو اپنے جرم کی سزا پائیگا زمین کے بدل جانے سے کیا ہوگا۔

حضور نے :۔ ہاں کچھ ایسے بھی گندم نما جو فروش مبلغین ہیں جن کا خیال ہے کہ ان کو ان کے ہر جرم کی سزا ملے گی اس کی معافی نہیں ہے مگر ہم اہلسنت کا کہنا ہے کہ یہ بات تو ارادۂ الٰہی اور مشیت ایزدی پر موقوف ہے وہ جس مجرم کو چاہے سزا دے اور جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ اس خادم نے جب مولانا سے دریافت کیا کہ زمین بدل جانے سے کیا ہوتا ہے تو مولانا نے کہا! جواب آج نہیں پھر کبھی دوں گا۔ چنانچہ ایک بار وہی خادم مولانا کو پنکھا جھل رہا تھا۔ اردگرد کچھ اور بھی لوگ حاشیے پر بیٹھے تھے مولانا کو خادم کا سوال یاد آ گیا۔ فرمایا تم نے ایک بار مجھ سے سوال کیا تھا جس کا جواب میں نے ٹال دیا تھا آج تم اپنا سوال دہراؤ تاکہ تمہیں جواب دیدیا جائے۔ اس نے اپنا سوال دہرایا مولانا نے خادم سے دریافت کیا۔ ایک بات بتاؤ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا حضور پنکھا جھل رہا ہوں۔ مولانا نے فرمایا۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ۔ پنکھا تو مجھ کو جھل رہے ہو کیا ہوا مجھ کو ہی لگ رہی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پنکھا تو آپ ہی کو جھل رہا ہوں مگر آپ کی بدولت ہوا دوسروں کو بھی لگ رہی ہے جو آپ کے پڑوس میں بیٹھے ہیں۔ مولانا نے فرمایا تیرے سوال کا جواب ہو گیا۔ یعنی جس طرح پنکھا مجھ کو جھل رہا ہے مگر میری وجہ سے میرے پڑوس کو بھی ہوا لگ رہی ہے۔ بس ایسے ہی جو مسلمان یہ آرزو کرتا ہے کہ مرنے کے بعد خواجہ کا پڑوس مل جائے بغداد کی زمین مل جائے غازی میاں کا قرب حاصل ہو تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب خواجہ کے پڑوس میں ہوں گے اور رحمت کی بارش ہوگی تو کچھ چھینٹیں مجھ پر بھی آجائیں گی۔ ایسے ہی جب رحمت کی ہوائیں آئیں گی تو کچھ جھونکے ادھر بھی آجائیں گے۔ اسے رحمت و مغفرت کا سامان کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور مثال

کاٹھیاواڑ کی میمن قوم جو بہت ہی مخلص، بہت ہی مخیر، دیندار اور خوش عقیدہ ہے ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ بت پرست قوم تھی۔ ایک بار ان کا قافلہ کسی مندر کی پوجا کے لئے جا رہا تھا۔ اتفاق سے درمیان میں ایک دریا حائل ہو گیا۔ ان لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ کشتی مل جائے تو جائیں حسن اتفاق ہی کہئے وہیں کہیں سیدی سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد امجاد سے کوئی بزرگ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے قافلے سے دریافت فرمایا تم لوگ جاتے کیوں نہیں ہو۔ اہل قافلہ نے جواب دیا۔ آخر ہم کیسے جائیں، بیچ میں دریا حائل ہے کشتی بھی نہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی سادھن بھی نہیں۔ خدا کی طرف سے ہدایت ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی آپ کو ان کے حال زار پر ترس آیا۔ فرمایا: اچھا اگر وہ مندر یہیں آجائے تو؟ قافلے نے یک زبان ہو کر کہا پھر اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ آنکھیں بند کرو۔ فرمایا: اب آنکھیں کھول دو۔ آنکھیں جیسے ہی کھولا مندر کو سامنے پایا۔

آپ نے طنزاً کہا اس کی پوجا کرو۔ اب اسلام کے لئے ان کے دلوں کا دروازہ کھل چکا تھا۔ پورے قافلے نے کہا اب تم کو پوجیں یا مندر کو۔ جس کی انگلیوں کے اشارے سے مندر ڈول رہا ہے۔ اب اسے کیوں کر پوجا جائے لہٰذا اب آپ ہمیں مشرف بہ اسلام کیجئے مگر ہماری دو شرطیں ہیں:

(۱) اوّلاً ہم میں حسن ہو۔

(۲) دوئم دولت۔

آپ نے دعا مانگی اور خدا نے عطا فرمایا۔ چنانچہ میمن قوم میں حسن و دولت دونوں ہیں۔ اسے فکری و نظری نہیں بلکہ مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

حضرت مخدوم کلیری کا جواب

لہٰذا جب نیازمند نے دریافت کیا کہ حضور ہم فنا و بقا تو بولتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ فنا کیا ہے؟ اور بقا کیا ہے اس وقت اس کا جواب آپ نے کچھ نہ دیا۔ وصال سے قبل حضرت مخدوم پاک نے اپنے نیازمندوں کو وصیت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد تم میں سے کوئی مجھے نہلانا اور کفنانا نہیں۔ باہر سے حجرے کی کنڈی لگا دینا اور جب تک پانی چھلکتا اور بہتا محسوس ہو۔ آثار غسل معلوم ہوتے ہوں تو کنڈی ہرگز نہ کھولنا۔ اور جب اسکی علامت و آثار ختم ہو جائیں تو کنڈی کھول دینا۔ اور دوسری بات یہ فرمائی تم لوگوں میں سے کوئی میری نماز جنازہ نہ پڑھائے۔ ایک گھوڑ سوار آئے گا۔ جس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوگی وہی میری نماز جنازہ پڑھائے گا۔

آخر آپ کا وصال ہوا۔ دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرمایا۔ لوگوں کو آپ کی وصیت یاد تھی۔ حجرہ بند کر دیا اور جب تک آثار غسل معلوم ہوتے رہے باہر سے کنڈی لگی رہی اور جب یہ علامت ختم ہو گئی تو حجرہ کھول دیا گیا، تو کیا دیکھا؟ کہ مخدوم پاک نہلائے اور کفنائے جا چکے ہیں لوگ حیرت زدہ تھے۔ آخر یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں اب اسی عالم حیرانی میں اس گھوڑ سوار کا انتظار ہو رہا ہے جو نماز جنازہ پڑھائے گا۔ لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھ رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد غبار اٹھتا نظر آیا۔ دھول اڑتی نظر آئی یقین ہو گیا ہو نہ ہو کوئی آ رہا ہے۔ یہ تو کسی آنے والے ہی کی علامت ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد گھوڑ سوار سامنے آگیا جس کے چہرے پر نقاب پڑی تھی۔ اس کے آتے ہی قطاریں درست کر لی گئیں صفیں سیدھی ہو گئیں آنے والا مصلائے امامت پر کھڑا ہو گیا۔ اور اللہ اکبر کہا اور سب نے اس کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کر لی۔

نماز پڑھا دینے کے بعد اب یہ گھوڑ سوار آگے بڑھا تاکہ سوار ہو کر آگے بڑھ جائے۔ بس اسی اثنا میں معتقد خاص آگے بڑھا اور عرض کیا حضور آپ تو چلے جائیں گے مگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ آپ نے کس کی نماز جنازہ پڑھائی ہے؟

اے حضور! یہ اللہ کا وہ مقرب بارگاہ بندہ ہے جو اپنے وقت کا عارف حق اور ولی کامل ہے جس کے دامن سے لاکھوں مسلمان وابستہ ہیں کل میرے مخدوم کی تاریخ لکھی جائے گی۔ لوگ ہم سے دریافت کریں گے کہ مخدوم پاک کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تو ہم کس کا نام بتائیں گے اور کیا جواب دیں گے۔ لہٰذا نیازمند کی عرضداشت قبول فرماتے ہوئے اپنا نام ارشاد فرمائیں۔ ورنہ کم از کم چہرے کا نقاب ہی الٹ دیں تاکہ ہم دیکھ اور پہچان سکیں۔ ورنہ مخدوم کی تاریخ اندھیرے میں رہ جائے گی۔ اور عقیدت کیشوں کی دنیا ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی۔

یہ سنتے ہی گھوڑ سوار نے چہرے کا نقاب الٹ دیا۔ نقاب اٹھتے ہی پورا مجمع حیرت زدہ، ہکا بکا رہ گیا۔ سناٹا اور سکتے کا عالم۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ معتقد خاص نے ہمت کر کے دریافت کیا، اے حضور آخر ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ چونکہ سامنے کوئی اور نہ تھا۔ مخدوم پاک ہی کھڑے تھے مخدوم پاک نے فرمایا، کیا تم بھول گئے۔ تم نے ہی تو ایک روز دریافت کیا تھا کہ فنا و بقا بولتے تو ہیں مگر نہیں جانتے کہ فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے۔ میں نے اس کا جواب آج ہی پر ٹال رکھا تھا اور آج تم کو اسی کا جواب دینا ہے۔

دیکھو جسے تم گہوارے میں دیکھ رہے ہو اسی کا نام فنا ہے اور جسے تم نے گھوڑے پر آتے دیکھا اور اب جاتے دیکھو گے۔ اس کا نام بقا ہے۔

معلوم ہوا گہوارہ میں روح کا جلوہ ہے اور گھوڑے پر روحانیت کا۔ وہ فنا ہے اور یہ بقا ہے۔

حضرات! میں یہی عرض کر رہا تھا کہ روح کا مقام اور ہے روحانیت کا منظر اور۔

اے روح کا تعاقب کرنے والو کبھی اس کا بھی سراغ لگاؤ روحانیت کا سرچشمہ کہاں ہے۔ اور یہ دولت گرانمایہ کہاں سے ملتی ہے یہ حقیقت آپ پر واضح رہے جس طرح انسان اور ہے 'انسانیت' اور، آدمی اور ہے اور آدمیت اور ہے۔ ایسے ہی روح اور ہے روحانیت اور۔

حضرات! ابھی ابھی میں نے مشاہدے کی مثال دیتے ہوئے سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد کی ایک کرامت کا ذکر کیا تھا وہاں بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اب مجھے کہہ لینے دیجئے، جو مندر کی پوجا کرنے جا رہے تھے وہ صرف روح والے تھے۔ اور جس کے اشارے پر بنفس نفیس مندر ہی آ گیا تھا وہ صرف روح والا ہی نہیں بلکہ روحانیت والا تھا۔

حضرات یہی وہ واقعات و مشاہدات ہیں جو روح اور روحانیت کے درمیان خط امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی میں نے آپ کو بتایا انسان اور ہے انسانیت اور ہے۔ ہر دو ٹانگ والے مستوی القامت کو انسان کہا جاتا ہے مگر یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس میں انسانیت بھی ہو انسانی روپ میں تو ہے مگر یہ بھی دیکھو کہ انسانی صفات بھی ہیں یا نہیں؟ آدمی کے محبوب و پسندیدہ اوصاف ہی اس کی آدمیت اور انسانیت کی روشن دلیل ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی وقت ایسا آ گیا کہ آپ کئی دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ دسترخوان پر نوع بنوع اور طرح طرح کے دل پسند کھانے چن دیئے گئے۔ ابھی کوئی نوالہ حلق سے نہ اترا تھا کہ ایک بھوکا پیاسا مسافر آ گیا اسے دیکھتے ہی آپ کا دل پسیجا ترس آیا، دسترخوان سے فوراً اٹھ گئے اور اسے کھلا کر شکم سیر کر دیا۔

اب یہیں مجھے کہہ لینے دیجئے یہ صرف انسان نہیں کھلا رہا ہے انسانیت کھلا رہی ہے۔ بظاہر ہاتھ تو انسان ہی کے اٹھ رہے ہیں مگر مسافر نوازی کا یہ جذبۂ ہمدردی انسانیت کی فیض بخشی کا نتیجہ ہے۔

حضرات! بس ایسے ہی جب روح صیقل ہو کر جلا پاتی ہے تو روحانیت کی طرف بڑھتی ہے اور جیسے جیسے وہ مدارج علیا اور منزل ارتقا کو عبور کرتی جاتی ہے۔ ویسے ویسے منتہائے کمال سے قریب اور قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ روحانیت جتنے بلند مقام پر ہوگی۔ ویسے ہی اس کے اثرات بھی مرتب ہونگے۔

حضرات! جب بات آ ہی گئی ہے تو اس مفہوم کو اور بھی دو ایک مثالوں سے واضح کر دیا جائے تاکہ اس کا کوئی بھی گوشہ تاریک نہ رہ جائے اور یہ موضوع قلب و جگر میں اپنی صحیح جگہ بنا سکے۔

بلائی تعبیر حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ

حضرات آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ ایک بار کسی نے خواب دیکھا کہ وہ عرش الٰہی اپنے کاندھے پر لئے جا رہا ہے۔ چونکہ خواب بہت ہی اہم اور پیارا تھا اس لئے وہ اس کی تعبیر کے لئے سرگرداں تھا۔ جو بھی ملتا اپنے غیر سبھی سے پوچھتا مسلمانوں کا مزاج ہے کہ جب وہ اچھا خواب دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر کے لئے بے چین رہتا ہے۔ ہوشمندوں نے اس کو آگہی دی کہ اے نادان! اونچے خواب کی تعبیر کسی اونچے ہی سے دریافت کرنی چاہئے۔ اور اس وقت ہم میں سب سے زیادہ عظیم ترین شخصیت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ لہٰذا اگر اپنے خواب کی تعبیر لینا چاہتے ہو تو بارگاہ جنید میں چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ اسی غرض سے بغداد کے لئے روانہ ہوا مگر جب وہ بغداد کی شاہراہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ کئی ادمیوں کا ایک بڑا ہجوم سڑک سے گذر رہا ہے۔ ایسا اژدہام اور ہجوم غفیر کہ کاندھے سے کاندھا چھل رہا تھا۔ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں۔ لوگوں سے اس اجنبی نے پوچھا انسانوں کی یہ کیسی بھیڑ بھاڑ ہے۔ لوگوں نے بتایا کیا تجھے نہیں معلوم عارف باللہ حضرت جنید بغدادی کا وصال ہو گیا ہے۔ اور اللہ کے اسی برگزیدہ بندے کا جنازہ جا رہا ہے۔

اس نے ہائے کر کے سینے پر ہاتھ رکھا اور غمناک آنکھوں کا آنسو اپنی آستینوں میں جذب کر لیا۔ یہ سمجھا کے دل کو ڈھارس دی کہ یہی سعادت کیا کم ہے کہ ایک ولی کے جنازے کو کاندھا دینا میسر آ گیا۔ لپکا اور آگے بڑھا۔

یہاں پہنچ کر سرخیل عاشقاں حضرت امیر خسرو کا عشق و محبت میں ڈوبا ہوا واقعہ یاد آ گیا۔ جو واقعہ میں عرض کرنے جا رہا ہوں اسے سماعت فرمائیں اور اسے گوشۂ ذہن میں محفوظ رکھیں۔

سلطان المشائخ حضرت سرکار نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنے بہت ہی چہیتے مرید حضرت امیر خسرو کو ایک بار ”پرانی دلی“ کسی کام سے بھیجا۔ جب وہ یہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے سڑک جام ہے۔ ادھر سے ادھر جانا ایسے ہی ہے گویا کوہ ہمالہ کی چوٹی پار کرنا۔

حضرت امیر خسرو نے لوگوں سے دریافت فرمایا ”یہ بھیڑ بھاڑ کیسی ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا حضرت! آج اللہ کے اس ولی کا وصال ہوگیا ہے جس نے اپنے وصال سے پہلے کہہ دیا تھا کہ جو میرے جنازہ کو کاندھا دے گا وہ جنتی ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ کے اسی محبوب بندے کا جنازہ جارہا ہے۔ بھلا یہ سننے کے بعد اب کون اپنے گھر رہ سکتا ہے۔ گویا آج مکانوں میں تالے لگ گئے ہیں جنت لینے کے لئے سبھی دوڑے جارہے ہیں۔

مگر یہ سنتے ہی حضرت خسرو نے اپنے آپ کو ایک کالی کوٹھری میں چھپا لیا۔ جب جنازہ گزر جانے کے بعد راستہ صاف ہوگیا۔ تو باہر نکلے اور سامنے کر حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

محبوب الٰہی نے فرمایا! خسرو! بہت دیر ہوگئی۔ جواباً عرض کیا حضور راستہ خالی نہیں تھا۔ فرمایا کون سی ایسی خاص بات تھی۔ عرض کیا۔ اللہ کے ایک ایسے ولی کا جنازہ جارہا تھا۔ جنہوں نے اپنے وصال سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ جو میرے جنازہ کو کاندھا دے گا وہ جنتی ہو جائے گا۔ یہ سنکر پوری دلی ٹوٹ پڑی۔ ایسی بشارت عظمٰی کے بعد کون اپنے گھروں میں رہ سکتا ہے۔ محبوب الٰہی نے فرمایا۔ اچھا تو تم بھی کاندھا دینے چلے گئے تھے۔ اسی لئے دیر ہوگئی؟

امیر خسرو نے عرض کیا۔ حضور! ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ سننے کے بعد میں نے اپنے آپ کو کوٹھری میں چھپا لیا تھا۔

محبوب الٰہی نے فرمایا۔ حیرت کی بات ہے۔ جنت مفت میں مل رہی تھی تم لینے کیوں نہیں گئے؟

حضرت خسرو نے عرض کیا۔ ان کا ولی ہونا برحق۔ ان کا فرمان بھی سر آنکھوں پر۔ لیکن اے حضور! یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جو جنازے کو کاندھا دے گا۔ وہ جنتی ہو جائے گا۔ اب اگر میں جنازے کو کاندھا دینے جاتا تو میں دنیائے عشق و محبت کا مجرم قرار پاتا۔ دنیا مجھے طعنہ دیتی کہ خسرو کو اپنے پیر پر اعتماد نہیں تھا جبھی تو دوسرے سے جنت لینے گیا تھا۔ میرے سرکار آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے جنت بھی لوں گا تو آپ سے اور آپ ہی والی۔

میرے بھائیو! پیر ہو تو ایسا۔ مرید ہو تو خسرو جیسا۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب وہ پردیسی خواب کی تعبیر لینے بغداد پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ حضرت جنید بغدادی کا جنازہ ہے۔ کاندھا دینے کے لئے آگے بڑھا اور گرتے پڑتے گہوارے تک پہنچ گیا۔ دل دھڑکا۔ آنکھیں اشکبار ہوئیں کاندھا دیتے ہوئے عرض کیا حضور! ہم سے ہی تعبیر لینے آئے تھے اور تعبیر چلے بھی جارہے ہو۔

بس اس کا اتنا کہنا تھا کہ گہوارے سے مدھم آواز آئی نادان! یہی تو تیرے خواب کی تعبیر ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم ”قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ“ یعنی مومن کا دل عرش الٰہی ہوتا ہے۔ گویا تو جنازہ نہیں بلکہ اپنے کاندھے پر عرش الٰہی اٹھائے ہوئے ہے۔ یہی تیرے خواب کی تعبیر ہے۔

دوستو! مجھے بتاؤ کہ گہوارے میں سو کون رہا ہے؟ اور اسی گہوارے سے بول کون رہا ہے؟

حضرات! اب مجھے یہ کہہ لینے دیجئے جو خاموش سو رہا ہے وہ روح کا جلوہ ہے اور جو بول رہا ہے وہی روحانیت کا منظر ہے۔

ایک بہت ہی اہم بات

حضرات! ذہن و فکر پر دباؤ ڈال کر اس کا فیصلہ کیجئے کہ آخر یہ مضمون میں نے اٹھایا کیوں ہے۔

دوستو! روح اور روحانیت کی تقریر کا حاصل اور نچوڑ یہ ہے کہ اسے غور سے دیکھو کہ اس جسم کا تعلق صرف روح سے ہے یا روحانیت سے بھی۔ اگر اس کا تعلق صرف روح سے ہوگا تو اگر روح نکل جائے گی تو جسم برباد ہو جائے گا۔ لیکن اگر جسم کا تعلق روحانیت سے بھی ہوگا تو روح باقی رہے گی۔ پھر بھی آنکھ دیکھے گی۔ اور کان سنے گا وہ جسم برباد نہ ہوگا۔

یہاں پہنچ کر اب میں ایک ایسی تاریخی دستاویز پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے میرے دعوے کی توثیق بھی ہو جائے اور اس محضر نامے کی آخری جز بھی ثابت ہو۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا دور ہے۔ یہ واضح رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابئ رسول ہیں اور سرکار کے کاتب خصوصی۔ وحی الٰہی کے لکھنے والے اور عشق مصطفےٰ میں ڈوبے ہوئے۔ چنانچہ ایک بار حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناخن اقدس تراشا گیا۔ آپ نے اسے ضائع نہ ہونے دیا بلکہ حفاظت سے رکھ لیا۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو اپنے وارثین سے فرمایا جب میرا وصال ہو جائے تو مجھے نہلانا دھلانا، کفنانا، نماز جنازہ پڑھنا لیکن جب مجھے قبر میں اتارنا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تراشا ہوا ناخن پاک ہے جسے میں نے آج ہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اسے میرے جوڑ جوڑ پر رکھ دینا جسے میں اپنی سعادت و نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ ہر چند کہ میں نے نمازیں پڑھی ہیں۔ سجدے کئے ہیں۔ لیکن سجدہ اپنا ہے۔ ناخن مصطفےٰ کا ہے۔ مجھے کہہ لینے دیجئے

کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابئ رسول ہیں وہ ناخن پائے اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نجات کا وسیلہ بنا رہے ہیں تو جس کا ناخن وسیلہ بن سکتا ہے پھر اس کی ذات وسیلہ کیوں نہیں بن سکتی؟

لیکن توحید کے نام نہاد ٹھیکیداروں کا حال یہ ہے کہ اس نماز کو وسیلہ بنائیں گے جس کے بارے میں انہیں خود بھی اطمینان نہیں ہے کہ یہ مقبول ہے۔ یا نامقبول۔ اچھا اتنا بڑا مجمع ہے اس میں نمازی بھی ہیں اور حاجی بھی۔ کیا کوئی حاجی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے میرے حج کو قبول کر لیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ اور دل مر نہیں گیا زندہ ہے تو آنکھوں سے آنسو برس پڑے گا اور جواب یہی ہوگا کہ حج کرنا ہمارا کام ہے اور قبول کرنا خدا کا کام ہے۔

ایسے ہی اگر کسی ایسے نمازی سے سوال کیا جائے جس نے ڈیڑھ بجے رات کی تاریکی میں چپکے سے قدم بڑھا کر وضو کا پانی انڈیلا۔ حتیٰ کہ برتن کے کھنکنے کی آواز تک نہ آئی ہو۔ مصلیٰ بچھایا دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ اس نمازی کے کسی ایک سجدے ہی کے بارے میں کوئی یہ کہہ دے کہ خدا نے اس کا سجدہ قبول کر لیا۔

اس لئے یہ وہ نماز ہے جس میں ریا نہیں تصنع اور بناوٹ نہیں۔ دکھاوا نہیں خالص اللہ کے لئے پڑھی گئی۔ یا تو سجدہ گذار جانے یا جس کے لئے سجدہ ہے وہ جانے لیکن اس سوال پر بھی کلیجہ پھٹ جائے گا۔ جواب یہی ہوگا کہ سجدہ کرنا ہمارا کام تھا۔ قبول کرنا خدا کا کام۔

غور کیجئے کہ عبادات سے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ پتہ نہیں نمازیں مقبول ہیں یا نامقبول۔ مگر قربان جائیے میرے مصطفےٰ کا نام ہی رکھ دیا گیا رسول مقبول۔ وہ پاؤں کے ناخن سے سر کے بال تک مقبول ہی مقبول ہیں۔ اور ایسے مقبول کہ اگر کسی نامقبول کو چھو دیں تو وہ بھی مقبول ہو جائے۔ حیرت کلیجہ پیٹ رہی ہے۔ انسانیت ماتم کر رہی ہے کہ جس کے مقبول ہونے میں خطرہ و خدشہ ہو پتہ نہیں مقبول یا نامقبول۔ اسے نجات کے لئے وسیلہ بنایا جائے۔

اور جو سراپا مقبول ہی مقبول ہو اسے وسیلہ نہ بنایا جائے۔ اس سے بڑھ کر رسول دشمنی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور ان شاء اللہ ان کے لئے میرے سرکار وسیلہ بنیں گے ہی نہیں۔ یہ یونہی مارے مارے پھریں گے۔ بحمدہٖ تعالےٰ ہم اہل سنت وسیلہ کے قائل ہیں۔ سرکار ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان وسیلۂ نجات، اور نجات دہندہ ہوں گے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ہاں میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں نہر کھودی جا رہی تھی۔ نہر کھودنے والے اور پھاوڑا چلانے والے اس جگہ پہنچے جہاں ۴۵ سال پہلے جہاد ہو چکا تھا۔ وہاں ایک نعش برآمد ہوئی جن کے سینہ پر تیر پیوست ہو گیا تھا اور وہی جان لیوا ثابت ہوا۔ چنانچہ دونوں ہاتھ اسی زخم پر رکھ کر انہیں سلا دیا گیا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے لیکن جیسے ہی بدن کو جنبش ہوئی وہ دونوں ہاتھ سینے سے نیچے لٹک گئے۔ آپ نے کچھ محسوس کیا کہ میں بار بار اس پر کیوں زور دے رہا ہوں کہ ہاتھ سینے سے لٹک گئے۔

حضرات! آپ میں سے اکثر کو یہ تجربہ ہوگا کہ جب کسی کے نزع کی کیفیت ہوتی ہے تو بڑے بوڑھے اسے تنہا نہیں چھوڑتے۔ روح جیسے پرواز کرتی ہے اگر مرنے والے کی آنکھ کھلی ہو تو لوگ بند کر دیتے ہیں۔ کوئی ہاتھ یا پاؤں اگر ٹیڑھا ہے تو اسے سیدھا کر دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بدن میں جب تک روح کی گرمی رہے گی تو کھلی آنکھ بند کی جا سکتی ہے۔ ٹیڑھے اعضا سیدھے کئے جا سکتے ہیں۔ مگر جیسے ہی بدن سے روح کی حرارت ختم ہو جائے گی تو پھر جو عضو ٹیڑھا ہے وہ ٹیڑھا ہی رہ جائے گا۔

اب مجھے کہنا یہ ہے کہ ۴۵ برس کی نعش ہے سینے پر ہاتھ ۴۵ برسوں سے رکھا ہوا ہے اسے تو جام ہو جانا چاہئے تھا۔ ہٹانے سے بھی نہیں ہٹنا چاہئے تھا۔ مگر عالم یہ ہے کہ ہلکی جنبش پاتے ہی سینے کا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ ہاتھ کی یہ کیفیت زبان حال سے یہ کہہ رہی ہے کہ یہ مردہ نہیں ہے زندہ لیٹا ہے۔

حضرات! شہید کی زندگی تو وہ ہے جس پر نص قرآنی شاہد عدل ہے۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (الآیہ)۔ اللہ کی راہ میں جو قتل کئے گئے ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔ وہ زندہ ہیں تمہیں شعور نہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ وہ ہے جس نے ناموس مصطفےٰ پر اپنی جان دی ہے تو جب جان دینے والا زندہ ہے۔ ناموس والا کیوں نہ زندہ ہوگا۔ یہ بزار زندہ بھی مگر ہے تو سرکار کا غلام جس کے غلام کی یہ شان ہوگی اس کے آقا کا مقام کتنا بلند و بالا ہوگا۔

حضرات! مجھے اس مقام پر ایک بات یاد آئی جو صوبہ اتر پردیش میں کوہ ہمالہ کے دامن میں ایک تاریخی شہر ہے جس کا نام بہرائچ شریف ہے۔ وہاں اللہ کے محبوب بندہ جن کی شہادت جمہوری ہے کسی کو بھی اختلاف نہیں خواہ اپنے ہوں یا بیگانے۔ بلکہ بیگانے وہاں کی چادر و مالیدہ اور چڑھاوے سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شرک و بدعت کی قلعی وہاں جاتے ہی کھل جاتی ہے وہاں پہنچ کر شرک و بدعت کے سارے فتاوے نذر آتش ہو جاتے ہیں۔

ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ بہرائچ شریف میں سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ چنانچہ خلجی بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے غازی میاں کے آستانے پر حاضری دی تھی اس وقت وہاں کوئی بزرگ تھے جن کی ولایت مشہور تھی۔ بادشاہ نے ان سے عرض کیا میں آستانہ پر حاضری دینا چاہتا ہوں۔ کیا ہی اچھا ہو تاکہ یہ حاضری آپ کے ساتھ ہوتی۔ اللہ کے محبوب بندے نے کہا میں تو حاضری دیتا ہی رہتا ہوں۔ اگر تمہاری خواہش ہے تو چلا چلتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ اور درویش دونوں چلے لیکن درویش ٹیڑھے ٹیڑھے چل رہے تھے۔ بادشاہ سے نہ رہا گیا تو پوچھ ہی لیا حضور راستہ تو سیدھا بھی ہے اور صاف بھی مگر آپ ٹیڑھے ٹیڑھے کیوں چل رہے ہیں کبھی پاؤں آگے کبھی پاؤں پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں۔ ایسا کیوں ہے۔ یہ سنتے ہی اللہ کے ولی نے اپنی کلاہ بادشاہ کے سر پر رکھ دی جیسے ہی کلاہ سر پر رکھی۔ زمین کا نچلا حصہ روشن ہو گیا۔ اب بادشاہ کیا دیکھتا ہے زمین کے نیچے شہدا کی نعش ہی نعش ہے۔ گویا گنج شہیداں ہے۔ بادشاہ حیران و پریشان۔ اس کے بعد درویش نے کہا ہمارا تمہارا یہی فرق ہے تم بن دیکھے چل رہے ہو۔ میں دیکھ دیکھ کے چل رہا ہوں۔ میں ٹیڑھا میڑھا نہیں چل رہا ہوں۔ بلکہ اس احتیاط سے چل رہا ہوں کہ کہیں ان کے سینہ اور سر پر پاؤں نہ پڑ جائے۔ اگر بار خاطر نہ ہو تو یہیں ایک نکتہ ذہن نشین کر لیجئے کہ جس کی ٹوپی کا یہ عالم ہو کہ ایک بادشاہ کے سر پر رکھ دی جائے تو طبقات زمین روشن ہو جائے۔ پھر ٹوپی والے کی آنکھ کا کیا عالم ہوگا۔ ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں!!!

حضرات! یہ وہ سید سالار مسعود غازی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں جن کے بارے میں حضور سیدی مخدوم سمنانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے لطائف میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ غازی میاں کی قبر پر حاضری دیں وہ کم از کم ہر شب ضرور حاضر رہیں۔ چونکہ ہر تیس منٹ بعد ان کی قبر پر حضرت خضر کی حاضری ہوتی ہے۔ اگرچہ پہچانو گے نہیں مگر کم از کم ان کے چہرے پر نظر تو پڑ جائیگی۔ نہیں پہچانو گے مگر ان کے دامن کی ہوا تو لگ جائے گی۔

بہر حال بادشاہ اور درویش دونوں نے حاضری دی۔ اسی اثناء میں بادشاہ نے درویش سے پوچھا۔ حضور غازی میاں کی کرامت بتا دیجئے۔

درویش نے فرمایا اس سے بڑی کرامت اور کیا دیکھنا چاہتا ہے کہ ان کی بارگاہ میں تجھ جیسا بادشاہ اور مجھ جیسا درویش دونوں بھکاری کی طرح ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں۔

حضرات! اسے یاد رکھئے۔ بادشاہ کا ایک نفسیاتی سوال تھا کہ ان کی کچھ کرامت بتا دیجئے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر صاحب مزار کے حالات کا علم ہوتا ہے تو دل میں زیادہ جھکاؤ پیدا ہوتا ہے۔ صاحب مزار کے حال سے بے خبر و باخبر ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے اچھی بات ہے کہ آدمی جہاں حاضری دے حاضری سے قبل ان کے خصوصی احوال کی معرفت حاصل کر لے۔

ایک واقعہ جب بات آہی گئی ہے تو حضرت غازی میاں کا ایک واقعہ اور سماعت فرمالیں۔

ضلع بارہ بنکی میں ایک متمدن قصبہ ردولی شریف ہے۔ جہاں قطب عالم حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ مرجع عقیدت ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کا ایک حجام تھا جو ہفتہ میں دو بار ناخن تراشنے، خط بنانے کے لئے حاضر ہوتا تھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ وہ وقت معینہ سے ایک روز قبل ہی آگیا حضرت نے فرمایا تم ایک دن پہلے کیوں آگئے۔ اس نے عرض کیا حضور کل مجھے بہرائچ شریف غازی میاں کے عرس میں رہنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہمیشہ ہر سال جاتے ہو کیا ضروری ہے کہ ہر سال جاؤ۔ امسال نہ جاؤ۔ پھر جانا۔ بہت آپ نے سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ آخر اس نے عرض کیا حضور! آج حجامت بنوانی ہو تو بنوا لیجئے۔ کل میں ملوں گا نہیں۔ کل تو میں غازی میاں کے وہاں رہوں گا۔

جب آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ نہ مانے گا تو آپ نے فرمایا ایسا کرو جب تم جا ہی رہے ہو تو فلاں وقت، فلاں جگہ، فلاں باغ میں موجود رہنا۔ ایک گھوڑ سوار وہاں سے گذرے گا۔ ان سے میرا سلام کہدینا۔ اور میرا یہ پیغام پہونچا دینا۔ اس نے عرض کیا حضور کے لئے خادم حاضر ہے۔ چنانچہ وہ بہرائچ چلا گیا۔ ٹھیک وہ اس باغ میں وقت معینہ پر جگہ متعینہ پر حاضر ہو گیا۔ ایک گھوڑ سوار کی سواری آئی۔ اس نے حضرت کا سلام عرض کیا اور پیغام پہونچایا۔

گھوڑ سوار نے بھی کہا کہ اچھا ایسا کرنا ان سے بھی میرا سلام کہدینا۔ اور میرا پیغام پہونچا دینا۔ اس نے کہا خادم حاضر ہے۔

یہ نادان نہ سمجھ سکا۔ حالانکہ یہی غازی میاں تھے اب دونوں کا پیغام سنئے۔ حضرت مخدوم ردولوی نے یہ کہلوایا تھا کہ آپ ہر سال کیوں لاکھوں آدمیوں کو پریشان کرتے ہیں۔ جسے دیکھئے دوڑا جا رہا ہے تو غازی میاں نے اس کا جواب عنایت فرمایا، کہ آپ ایک حجام کو نہیں روک سکے ہیں لاکھوں بندگان خدا کو کیونکر روک سکتا ہوں۔

گویا خزانہ خدا کا ہوتا ہے ہاتھ مردانِ خدا کا اور دامن بندگانِ خدا کا۔

حضرات! اسے یاد رکھئے یہ بہت ہی بافیض آستانہ ہے جو منکر کرامت ہو اسے بہرائچ شریف لے جائیے تاکہ وہ اپنی آنکھ سے حضرت غازی میاں کی کرامت دیکھے۔ اسے سماعت فرمائیے۔

مزار پاک کے سرہانے دیوار کے بعد ایک حوض ہے غسل مزار کا پانی اسی میں گرتا ہے۔ غسل شریف سے پہلے بہت کوڑھی حضور کے قریب کھڑے رہتے ہیں۔ جیسے ہی غسل کا پانی حوض میں گرتا ہے۔ کوڑھی اس میں کود پڑتے ہیں۔ چنانچہ ہر سال سات یا آٹھ کوڑھی اچھے ہوتے ہیں۔ انگلیاں بڑھ جاتی ہیں ناخن نکل آتے ہیں۔ فوٹو کے ساتھ جن کا ریکارڈ آستانہ میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

جن کا جی چاہے جا کر دیکھ آئیں۔

بات بہت دور آگئی ہے میں اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب وہ نعش برآمد ہوئی تو سینہ سے ہاتھ لٹک گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے سر پر تھوڑا سا کپڑا ڈال دیا گیا تھا اور باقی بدن پر گھاس جس کا نام "اذخر" ہے۔ راویوں کا کہنا یہ ہے کہ برسوں کی گھاس ایسی معلوم ہو رہی تھی کہ گویا ابھی ابھی زمین سے اکھاڑ کے شہید کر بدن پر ڈالی گئی ہے۔

حضرات! آپ کو بھی اس کا تجربہ ہو گا کہ اگر گھاس اکھاڑ کر زمین پر ڈال دی جائے تو چند مہینے کے بعد گھاس نہ ملے گی۔ سڑ کر مٹی ہو جائے گی اور کھاد بن جائے گی مگر یہ چند مہینے کی گھاس نہیں بلکہ دہہ برس کی ہے۔ اور ایسی تازہ گویا ابھی ابھی اکھاڑی گئی ہے۔ گویا یہ گھاس اپنی خاموش زبان میں اس کا اعلان کر رہی ہے اور اس حقیقت کا اعتراف کر رہی ہے کہ مجھے تو سڑ جانا چاہئے تھا مگر میں نے ایک ایسے زندہ کا قدم چوم لیا ہے کہ وہ خود ہی زندہ نہیں بلکہ دوسروں کو بھی زندگی بانٹ رہا ہے

میں نے بہت پہلے آپ لوگوں سے عرض کیا تھا کہ اگر زندگی لینا ہو تو زندوں کے پاس جاؤ۔ اور پھر اس قوم کا کیا کہنا جو مر کر بھی زندہ ہو۔ اور زندگی بانٹ بھی رہی ہو۔ بھلا اس قوم کا اس سے کیا تقابل و موازنہ جو زندہ رہ کر بھی خود زندگی سے ناآشنا ہو۔ جو ننگ، انسانیت اور ننگ زندگی دونوں ہو۔ اور ایک دوسری بات میں نے یہ بھی کہی تھی کہ جس جسم کا تعلق محض روح سے ہو گا تو روح نکل جانے کے بعد جسم برباد ہو جائے گا مگر جس جسم کا تعلق روحانیت سے ہوگا۔ روح کے نکل جانے کے بعد بھی سلامت و باقی رہے گا۔

اس آخری مثال میں ہمارے دونوں دعووں کی تصدیق ہو جاتی ہے جسم سلامت بھی ہے اور زندگی تسلیم بھی ہو رہی ہے۔ سچ کہا کسی نے ؂

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات؟
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے۔

پانی پینے کا مسنون طریقہ

محمد عبدالستار طاہر (لاہور)

کام کوئی بھی ہو اگر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کیا جاوے اور اتباعِ سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے کیا جائے تو وہ عبادت ہے۔

پانی پینا ہماری ضرورت ہے اور ضرورت بھی ایسی کہ پانی کے بغیر انسانی زندگی محال ہے۔ پانی تو ہم نے پینا ہی ہے تو کیوں نہ اس احسن انداز سے پیا جائے جس مبارک طریقے سے مولیٰ تعالیٰ کے محبوب پاک صاحبِ لولاک فداہ امی وابی نے نوش فرمایا۔ اس طرح سے بظاہر معمولی کام صرف سنتِ رسول پاک علیہ التحیۃ والثناء کے مطابق سرانجام دینے سے عبادت قرار پا جائے گا۔

آج سائنس بھی سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دے رہی ہے اس میں پنہاں افادیت وحکمت کو اجاگر کر رہی ہے ـــــ اور پھر سنت پر عمل کرنے میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ دین فطرت نے زندگی بسر کرنے کے جو اصول واسالیب متعین فرمائے ہیں ان میں خود کو ڈھال کر حیاتِ مستعار بسر کرنے میں کسی قسم کی پیچیدگی لاحق نہیں ہوتی اور زندگی متوازن ہو جاتی ہے۔ اور توازن ہی زندگی کا حاصل ہے۔

مختلف روایات سے سنتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پانی پینے کے بارے میں آداب بیان ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کرنے سے پیشتر پینے کے پانی کے لئے انتہائی ضروری احتیاطیں ذکر کی جاتی ہیں۔

پینے کے پانی کے لئے ضروری احتیاطیں

صحت کے بنیادی اصولوں سے آگاہی نہ صرف ہمیں تندرست رکھتی ہے بلکہ بیمار ہونے سے بھی بچاتی ہے۔ اور بیماریوں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے بھی مددگار ثابت ہوتی ہے ـــــ واضح رہے کہ بالعموم بیماریوں کے لاحق ہونے اور ان کے پھیلاؤ میں زیادہ تر پانی، خوراک اور ماحول اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پانی پینے کے مبارک ومسنون طریقہ کے ساتھ ساتھ پینے کے پانی کے لئے حسب ذیل بنیادی اصول اور احتیاطیں پیش نظر رہیں۔

۱۔ پینے کے پانی کو کسی صاف برتن میں صاف ستھری جگہ پر رکھیں۔

۲۔ ممکن ہو سکے تو پینے والے پانی کا برتن زمین سے کچھ بلندی پر رکھیں تاکہ بچوں اور جانوروں کی پہنچ سے دور رہے۔

۳۔ پینے والے پانی کے برتن کو ہر وقت صاف ستھرے ڈھکن سے ڈھانپ کر رکھنا چاہیے۔ ڈھکنا ایسا ہو جو پوری طرح سے برتن کا منہ ڈھانپ سکے۔

۴۔ پانی کا برتن کھڑکی یا دروازہ سے ہٹا کر رکھیں۔

۵۔ برتن اگر خالی ہو تو بھی اس پر ڈھکنا پڑا رہنا چاہیے تاکہ گرد وغبار یا کوئی کیڑا مکوڑا اس میں داخل نہ ہو سکے۔

۶۔ برتن میں کوئی سوراخ یا دراڑ نہ ہو۔ برتن چٹخا ہوا نہ ہو۔

۷۔ اگر ہو سکے تو برتن کے ڈھکن کو روزانہ ابلتے ہوئے پانی سے دھویا جائے۔

۸۔ پینے والے پانی کے برتن کو ہر بار بھرنے سے پہلے اندر اور باہر سے اچھی طرح دھو لیا جائے۔ کیونکہ پانی میں شامل نمکیات برتن کے پیندے میں بیٹھ جاتے ہیں اور صاف نہ کرنے سے اس کے مضر اثرات پانی کو مضر بنا سکتے ہیں۔

۹۔ برتن سے پانی نکالنے کے لئے ایک چھوٹا برتن یا مگ استعمال کیا جائے۔ اور اس چھوٹے برتن یا مگ کو صرف اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

۱۰۔ پانی کے برتن میں ہاتھ یا انگلیاں کبھی نہ ڈالیں بلکہ اسے باہر سے پکڑیں۔

۱۱- مگ کو ہمیشہ ڈھکنے پر الٹا کر کے رکھیں۔

آئیے اب پانی پینے کے مسنون آداب ملاحظہ فرمائیں:۔

پانی سر ڈھانپ کر پینا

سر پر عمامہ یا ٹوپی رکھنا سنتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور بالعموم ہر مسلمان کو اس صفت سے متصف ہونا چاہیے۔ محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ایک ایک ادا کو اپنایا جائے اور سرتاپا محبوب کا پرتو بن جائے۔ پانی پیتے وقت سر ڈھانپ لینا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر تو ہر وقت عمامہ شریف ہوتا تھا۔ اس لئے پانی سنت کے مطابق پینے کے دوران سر ڈھانپنا بھی سنت محبوب ربّ العالمین ہی کا حصّہ ہے۔ اور ہمیں ننگے سر نہ رہنا چاہیے۔

منھ قبلہ کی طرف کر کے پانی پینا

یہ بھی مولیٰ تعالیٰ اور رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کا باعث ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار بھی یہی تھا۔ اور پھر بندے کا مولیٰ تعالیٰ سے تعلق کا ایک اندازِ اظہار بھی!

پانی سیدھے ہاتھ سے پینا

قدرت نے جن اعضاء کو جن مخصوص افعال کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بغیر کسی معذوری یا مجبوری کے ان سے وہی مجوزہ کام لینا چاہیے ــــ مشیتِ ایزدی سے انحراف باعثِ نقصان ہے۔

پینے والا برتن گلاس یا پیالہ دائیں ہاتھ سے پکڑنا چاہیے ــــ گلاس کی نسبت مٹی کا پیالہ ترجیحاً استعمال کیا جائے۔ اس میں شفا بھی ہے اور سنتِ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا بھی ــــ ترمذی شریف کتاب الاطعمہ کے مطابق بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا معمول ہے۔ لہٰذا بائیں ہاتھ کو طہارت کے لئے خاص کر دیا گیا ــــ ہاں کوئی معذوری ہو تو علیحدہ بات ہے۔

پانی دیکھ کر پینا

پانی رنگت میں صاف، بے بو اور خوش ذائقہ ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیتے وقت پانی کو دیکھ کر پینے کا حکم دیا تاکہ کوئی کیڑا مکوڑا پانی کے ساتھ جسم میں داخل نہ ہو۔ اسی طرح پانی کو ڈھانپ کر رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی زہریلا کیڑا یا جانور پانی نہ پی لے اور پانی کو زہریلا نہ بنا دے ــــ اس طرح سے انسانی جان کو بچانے کی سبیل کی گئی ہے۔

پانی پینے سے پہلے دو بار کلی کرنا

تاکہ دانتوں کا میل اور ہونٹوں پر پڑی گرد میں شامل جراثیم پانی پیتے وقت پیٹ میں نہ چلے جائیں۔ اور پیٹ میں کسی مرض کا باعث نہ بن سکیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بیشتر بیماریاں نظامِ معدہ میں خلل کے باعث لاحق ہوتی ہیں۔ اور معدہ میں بگاڑ دانتوں کے میل سے منھ میں پیدا ہونے والے تعفن کے باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا پانی پینے سے پہلے دو بار اچھی طرح کلی کر لینا صحت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ دورانِ کلی دانتوں پر انگلی ماری جائے تو اور بھی مفید ہے۔

* "مومن کے شب و روز" کے ذیل میں علامہ فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:۔

"وہ بعض بلکہ اکثر حضرات کلی کرتے وقت پانی کا چلو (یا گھونٹ) صرف منھ میں ڈال کر نیچے پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح سے کلی کی سنت ادا نہیں ہوتی۔ جب تک غرارے نہ کرے یہاں تک کہ اگر روزہ نہ ہو تو حلق کے آخری حصّے تک پانی پہنچانا چاہیے۔ اس طرح کرنے سے بے شمار بیماریوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ شرعی احکام کو طب سے گہرا تعلق ہے۔ لیکن افسوس کہ لوگ اس طرف متوجہ نہیں کرتے۔ میرا طب میں جہاں تک مطالعہ ہے، میں نے بخوبی معلوم کیا ہے کہ اگر کوئی بھی شرعی احکام پر پابندی کرلے تو یقیناً صحت بھی درست رہے اور خدا بھی راضی۔"

پانی پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا

منعمِ حقیقی ربّ کائنات کے پاک نام سے شروع کئے جانے والے کام میں بڑی برکت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ فعل بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے اور خالقِ کائنات کی خوشنودی و رضا کا باعث بھی ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کا مظہر ہے اور یہ کہ جس خالق و مالک نے یہ نعمت بے مثل عطا فرمائی ہے اس کے مبارک اور بابرکت نام سے اس نعمت سے مستفیض ہوا جا رہا ہے۔

پانی بیٹھ کر پینا

پانی ہمیشہ بیٹھ کر پینے کے لئے شدید تاکید کی گئی ہے اور کھڑے ہو کر پانی پینے پر سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "کھڑے ہو کر کوئی شخص ہرگز کھائے نہ پیئے۔ اگر بھول کر کھڑے ہو کر پانی پی لے تو یاد آتے ہی قے کر دے"۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا انسانی

صحت کے لئے کس قدر مُضر ہے۔ جس کے لئے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے ہی یاد آئے کہ پانی کھڑے ہوکر پیا تھا، فوراً قے کردی جائے۔ واللہ اعلم کھڑے ہوکر پیا گیا پانی کن خرابیوں کا باعث بنتا۔

کھڑے ہوکر پانی پینے کا حکم تو صرف مواقع پر ہے ـــــ وضو کے بعد۔ اور آبِ زم زم کا کھڑے ہوکر پینا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ بیٹھ کر اور آہستہ آہستہ تین سانسوں میں پانی نوش فرماتے تھے۔ اس طرح پانی پینے سے پوری سیری بھی ہے اور آدمی حسبِ ضرورت پانی بھی پی سکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا۔ جدید طبی تحقیق میں کھڑے ہوکر پانی پینے سے ہارٹ اٹیک ہوسکتا ہے اور کھڑے ہوکر پانی پینے سے سنکوپال بھی لاحق ہوسکتا ہے، جس سے آدمی چکرا کر زمین پر گر سکتا ہے۔

پانی تین سانس میں پینا

پانی پیتے وقت منھ برتن سے ہٹاکر سانس لینا چاہیے، تاکہ پینے کے عمل کے دوران سانس سے خارج ہونے والی مُضر ہوا پانی کو مضر نہ بنادے ـــــ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا برتن کے اندر سانس لینے سے۔

تین سانسوں میں پانی پینے کا مقصد یہ ہے کہ پانی پیتے وقت پانی کے اندر سانس نہ لیا جائے۔ کیونکہ سانس کے راستے خارج ہونے والی ہوا گندی اور جراثیم والی ہوتی ہے۔ اس طرح پانی مضرِ صحت ہوجاتا ہے ـــــ غٹاغٹ پانی پینے سے ہوا کافی مقدار میں پیٹ میں داخل ہوتی ہے اور اس طرح گیس کی شکایت ہوجاتی ہے۔

مشہور فلسفی بقراط نے لکھا ہے کہ۔ "کھانا کھانے سے پہلے پانی پینا سونا یعنی GOLD ہے ـــــ کھانے کے دوران پانی پینا چاندی یعنی SILVER ہے اور ـــــ کھانے کے آخر میں پانی پینا سکہ یعنی LEAD کے مترادف ہے، ـــــ یعنی معدے میں جاکر فساد کا موجب ہے۔" پانی پینے کے آداب کا خیال رکھنے سے آج کی بڑی بیماریوں میں شامل معروف و عام بیماریوں ہارٹ اٹیک، گیس ٹربل اور تبخیرِ معدہ سے محفوظ رہا جاسکتا ہے ـــــ

اسی طرح ایک روایت میں حضرت لقمان حکیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی پینے کے آداب ملحوظِ خاطر رکھنے کی حکمت یوں بیان فرمائی ہے ـــــ "کھانا کھانے سے پہلے پانی پینا شفا ہے (یعنی صحت کے لئے نافع و اعلیٰ ثابت ہوگا) ـــــ کھانا کھانے کے درمیان پانی پینا دوا ہے (یعنی یہ بھی صحت کے لئے مفید ہے) ـــــ اور کھانا کھانے کے بعد پانی پینا معدہ کی بیماری کا باعث بنتا ہے یعنی گیس پیدا کرتا ہے۔ تبخیرِ معدہ کا باعث ہے۔ گویا صحت کے لئے نقصان دہ امر ہے۔

پانی کی نظافت کے پیشِ نظر رسولِ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے اور پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے ـــــ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے کے دوران تین مرتبہ برتن سے باہر سانس لیا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم شریف) ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی شریف) ـــــ یہی روایت بخاری ومسلم شریف میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت مآب کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ "اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پورا پانی نہ پی جاؤ بلکہ دو یا تین دفعہ رک رک کر پیو۔ جب پینا شروع کرو تو اللہ کا نام لو اور پی چکو تو اس کی حمد بیان کرو یعنی شکر ادا کرو۔" (ترمذی شریف باب الاشربہ)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، "ایک سانس میں مجھے سیرابی نہیں ہوتی، اس لئے برتن میں سانس لینا پڑتا ہے۔" فرمایا گیا۔ "تو برتن کو سامنے منھ سے ہٹاکر باہر سانس لیا کرو۔" (ترمذی شریف)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا "اگر اس میں تنکا نظر آئے تو کیا کروں؟" فرمایا۔ "تھوڑا سا پانی گرا دو، جس سے وہ تنکا نکل جائے۔" (ترمذی شریف)

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشاداتِ عالیہ کی معنویت و حکمت کا اندازہ جدید طبی، سائنسی تحقیقات سے ہورہا ہے فزیالوجی یعنی علم افعال الاعضاء سے ثابت ہوچکا ہے کہ سانس لینے سے پھیپھڑوں کے اندر جو ہوا جاتی ہے اس میں آکسیجن کی مقدار ۲۱ فیصد، نائٹروجن کی مقدار ۹ فیصد

اور کاربن کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اس اعتبار سے باہر نکلنے والی ہوا خطرے سے ۳۰۲ فیصد قریب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کچھ گیسیں پانی میں حل پذیر ہوتی ہیں، پھونک مارنے سے وہ پانی میں حل ہو کر پانی کو مُضرِ صحت بنا سکتی ہیں۔

گیس ٹربل، تبخیرِ معدہ اور قبض دائمی سے نجات کے لئے نہار منھ کچے گھڑے کا پانی (جو رات کو بھر کر رکھا گیا ہو) پیٹ بھر کر پینا ہمیشہ کے لئے معمول بنا لینا چاہئے ۔۔۔ اس سے اجابت و رفع حاجت بھی کھل کر ہوگی اور بھوک بھی خوب لگے گی۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے جیسے کوئی مستری صبح دم اپنے کام کے آغاز سے پہلے اپنے اوزار اچھی طرح صاف اور تیز کر لے۔ بعینہٖ رات کے بھرے گھڑے کے پانی کی افادیت ہے کہ نظام انہضام کی تمام مشنری کو صاف کرتا ہے اور بھوک چمکاتا ہے۔

پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہنا یوں تو رب کائنات اپنے ماننے والوں کو اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے اور اپنے انکار کرنے والوں کو بھی اپنی نعمتیں عطا فرما رہا ہے ۔۔۔ پانی جیسی بے بدل نعمت سے مستفید ہونے پر الحمد للہ کہنا اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور اتباعِ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا عملاً اظہار بھی۔ اور پھر ساری تعریفیں اسی کو روا ہیں اور تمام شکرانے اسی کے لئے خاص۔

پانی پلانے پر جزاک اللہ کہنا پانی پلانا کارِ خیر ہے۔ اور پانی پلانے پر جزاک اللہ کہنا دعائے خیر ہے۔ چونکہ پانی پلانا بھی نیک عمل ہے اور نیکی کرنے والے کو اچھے اور نیک اجر کی دعا دینا بھی شکر کا ایک انداز ہے۔ واضح رہے کہ اگر کسی نے پانی نہیں پلایا تو بھی جزاک اللہ کہنا چاہئے کہ کسی حیلے کے واسطے سے وہ پینے کے قابل پانی اسے میسّر آیا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ سنّتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی تو ہے۔

حدیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے کہ جو میری ایک مُردہ سنّت زندہ کرے گا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا ۔۔۔ فقط ایک بار پانی پینے کے عمل میں یہ دس سنّتیں ادا کی جائیں تو ایک ہزار شہیدوں کا ثواب جتنا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ مالکِ حقیقی اور رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنار کی خوشی کا بھی باعث ہوگا ۔۔۔ اور یہی مطمحِ اتباعِ شریعت اور تقاضائے نسبت و محبتِ رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غماز بھی۔

انتباہ جو لوگ پانی پیتے وقت ان آداب مذکورہ بالا پر عمل کرنے سے تساہل برتتے ہیں، کس قدر صریح غفلت کا شکار ہیں۔ صرف ایک بار پانی پینے میں ان سنّتوں کا التزام و اہتمام کتنی برکات کے حصول کا باعث ہے ۔۔۔ اور ان سے اعراض کتنی برکات و سعادات سے محرومی کا موجب ہے ۔۔۔ اور خیال ہے کہ روشِ سنّتِ رسول کے خلاف چلنا نافرمانی ہے ۔۔۔ اور نافرمانی سراسر نادانی ہے کہ باعثِ ناراضیٔ سرکارِ ابد قرار ہے ۔۔۔ اور سرکارِ ابد قرار کی ناراضی میں ناراضیٔ مولیٰ مضمر!

حرفِ آخر ان سنّتوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ منشارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم یہ ہے کہ مسلمان معمولی سے معمولی کام کرتے ہوئے بھی نہ خود سے غافل ہو اور نہ خدا سے۔ ہر کام میں ہمیشہ یہ معمول بنائے کہ اس کام کے لئے مولیٰ پاک کا کیا حکم ہے۔ اور اس فعل کو آقا سرورِ کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس طرح سے انجام فرمایا۔ کیونکہ غفلت ہی سے انسان تباہ و برباد ہوتا ہے ۔۔۔ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں ہوشیاری کا درس دیا اور یہ بتایا کہ مسلمان کو ہر لمحہ اور ہر آن ہوشیار رہنا چاہئے۔

خیابانِ حجاز

تضمین بر کلام حضرت رضا بریلوی

قمر سلطانپوری (کولی واڑہ۔ یسین)

جھومتا پڑھتا ہوا آیاتِ مدثر گیا — کام آیا جذبۂ دل اور میں آخر گیا
پھر گیا، اور پھر گیا، پھر جاکے آیا پھر گیا — "بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا"

عرش و کرسی جنّت الفردوس کیا شہرِ حرم — کُل جہاں تیری ہے ملکیت نبیِّ محترم
اللہ اللہ یہ تری شاہی ترا جاہ و حشم — "تیری مرضی پاگیا سورج پھرا اُلٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا"

آفتابِ انبیاء اے ماہتابِ اصفیاء — اے چراغِ آمنہ اے رونقِ غارِ حرا
رفتہ رفتہ اے جمالِ مقصدِ ارض و سما — "بڑھ چلی تیری ضیاء اندھیر عالم سے گیا
کھل گیا گیسو ترا رحمت کا بادل گھر گیا"

سیّدِ معصوم اے صدر العُلیٰ نور الہدیٰ — رحمۃ للعالمیں اے شافعِ روزِ جزا
اے امامِ ہر زماں شمس الضحیٰ بدر الدّجیٰ — "تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا"

حرف گیریِ کیا کرے گی کوئی طبعِ حرف گیر — بلبلِ ادراک ہے جب دامِ حیرت میں اسیر
صفحۂ تاریخ میں کیا ہے کوئی ایسی نظیر — "کیوں جناب بوہریرہ تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستّر حاجیوں کا دودھ سے منھ پھر گیا"

کیا سمجھتے ہو غلامِ احمدِ مختار ہوں — اس حکیمِ باعثِ حکمت کا میں بیمار ہوں
ہاں ازل سے میکشِ خمخانۂ سرکار ہوں — "مجھ کو دیوانہ بتاتے ہو میں وہ ہشیار ہوں
پاؤں جب طوفِ حرم میں تھک گیا سر پھر گیا"

روبروئے گنبدِ خضرا قمرؔ نعتیں لکھو — زلف و روئے نور کی صبح و مسا باتیں کرو
کوچۂ سرکار سے اب نام جانے کا نہ لو — "ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اوّل گیا آخر گیا"

قمر بستوی مصباحی

لوحِ افکار میں تحریر ہیں آیاتِ سجود
سنگِ دران کا، مری خم ہے جبینِ مقصود
مرتبہ کیا ہو بیاں پیکرِ رعنائی کا
زیرِ گامِ آپ کے سرکار ہے جب چرخِ کبود
مہر و مہ کاہکشاں ارض و سما حور و جناں
آپ کے فیض سے اسبابِ دو عالم کا وجود
میرے احساس میں ایمان کے جلوے جاگے
اِک ترے نام سے ہے قلبِ تمنّا کی کشود
عالمِ کون و مکاں تیرے کرم کا محتاج
تیرے ہی در سے ہے وابستہ جہاں کی بہبود
تیرے پیزار کے ذرّوں سے فلک رخشندہ
قطرۂ جود سے ہے قلزمِ دل لا محدود
غم مجھے کیا ہو جہاں تو ہے مرا شافعِ حشر
خوف کیسا کہ کرم ساز ہے میرا معبود
خانۂ دل میں کبھی گردہ کرم فرماتے
اس طرح ٹوٹتا اِک شبہِ ہستی کا جمود
کیسا آفاق ہے گم جلوۂ نیرنگ میں آج
لگتا ہے ہو گا کہیں بامِ تمنّا پہ شہود
ہاں وہی اصلِ جہاں ہاں وہی اسرارِ حیات
ان کے ہی دم سے نمایاں ہے یہاں ہست اور بود
حسنِ یوسف ہے فدا ان کے رُخِ زیبا پہ
ان کے اصحاب کہاں اور کہاں قومِ ثمود
وصف ہیں عیب تناہی سے بری آپ کے جب
یارۂ مدح کسے جو لکھے وصفِ محمود
یہ زمیں کیا ہے کسی عشق کا پھیلاؤ قمرؔ
آسماں کیا ہے کسی پیکرِ الفت کی نمود

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

شبنم کمالی، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور علوئے مرتبت کے سلسلہ میں کتب احادیث میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ انشاء اللہ میں چند حدیثیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ لیکن سب سے پہلے "غدیر خم" والی اس حدیث کو زیب نگاہ بنایئے جو شیعہ حضرات کے نزدیک ان کے اپنے مخصوص نظریات کی بناء پر انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما دونوں مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلصین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے لوٹتے ہوئے ایک مقام پر تشریف لائے جس کا نام "غدیر خم" ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو پکڑا! اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کرنے کے بعد (ایک روایت کے مطابق اونٹوں کے پالانوں سے منبر بنا کر اس پر جلوہ گر ہونے کے بعد) تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

"کیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ میں مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ نزدیک ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر حضور نے فرمایا کیا تم لوگ اس سے واقف نہیں ہو کہ میں ہر مومن کے ساتھ اس کے نفس سے زیادہ قریب ہوں۔ پھر تمام صحابہ نے کہا کہ ہاں۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اے اللہ وہ شخص جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ تو اس شخص کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے۔ امر حق کو علی کی طرف پھیرا وہ جس طرف پھرے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے ملاقات کی اور ان سے کہا اے ابن ابی طالب مبارک ہو تو صبح کرے اور شام کرے اور ہر مسلمان مرد و عورت کا مولا بن کر رہے۔" (احمد)

شیعہ حضرات جو خلفائے راشدین میں تفضیل علی کا دعویٰ کرنے والے ہیں ان کے نزدیک یہ حدیث زیادہ قوی دلیل ہے۔ یہ لوگ اسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولیٰ اس جگہ اولیٰ بہ امامت (امامت کے ساتھ مجھ سے تمام لوگوں میں زیادہ قریب) کے معنی میں ہے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی فصل کے بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو خلیفہ اول ہونا چاہئے۔ یہ لوگ اسی حدیث سے حضرت علی کو وہ امام معصوم مفروض الطاعۃ بھی مانتے ہیں۔ ایسا امام جو گناہوں سے محفوظ ہو اور اس کی طاعت مومنوں پر فرض کی گئی ہو۔

اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے محدثین کرام کی ایک جماعت جیسے ترمذی، نسائی اور احمد نے سولہ صحابیوں سے اس کی روایت کی ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس حدیث کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیس صحابیوں نے سن کر اس وقت گواہی دی جب حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں

ان کے ساتھ نزاع اور اختلاف کی صورت پیدا کردی گئی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ شیعہ حضرات نے بھی امامت کی دلیل کے لئے تواتر کے اعتبار پر اتفاق کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس کے ساتھ امامت کی صحت پر استدلال نہیں کر سکتے ہیں۔

حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی تشریح میں اشعۃ اللمعات میں "صواعق محرقہ" سے شیخ ابن حجر کا قول نقل فرماتے ہیں:

ویقین است کہ ایں حدیث متواتر نیست باوجود خلاف دراں اگرچہ خلاف مردود است۔

ترجمہ: اور یقین ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ اس میں اختلاف کے باوجود اگرچہ اختلاف کا رد کیا گیا ہے۔

ابوداؤد سجستانی اور ابوحاتم رازی اور ان کے علاوہ نے حدیث کی روایت میں طعن فرمایا لیکن تفضیلت علی کے باب میں دیگر محدثین کے ساتھ رجوع فرمایا ہے۔ بعض محدثین حضرات جنھوں نے حدیث کی طلب میں مختلف شہروں کا طواف اور دور دراز علاقوں کی سیر کی جیسے امام بخاری، امام مسلم اور واقدی وغیرہم نے اس حدیث کی روایت نہیں فرمائی حالانکہ وہ اہل حفظ والیقان تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر حدیث کی صحت میں مخل نہیں ہے لیکن اس عالم میں تواتر کا دعویٰ عجائبات میں بھی سب سے زیادہ تعجب کی بات ہے۔ جبکہ ان شیعہ حضرات نے امامت کی حدیث میں تواتر کی شرط کی ہے۔

شیخ ابن حجر نے "صواعق محرقہ" میں اہلسنت وجماعت کی طرف سے شیعہ حضرات کی تردید میں کلام کے سلسلہ کو طویل کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اشعۃ اللمعات" کے حوالہ سے اس میں کچھ کا ذکر مختصر طریقہ سے ترجمہ کے طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ شیخ ابن حجر کہتے ہیں۔

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مولیٰ اس جگہ حاکم اور والی کے معنیٰ میں ہے۔ بلکہ یہاں محبوب اور ناصر کا معنیٰ بہتر ہے اس لئے کہ لفظ مولیٰ چند معانی کے درمیان مشترک ہے۔ معانی مشترک سے کسی دلیل کے بغیر کسی مخصوص معنیٰ کو متعین کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ ہم لوگ اور وہ محبوب وناصر کا مراد لینے پر متفق ہیں۔ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے حبیب اور ناصر ہیں۔ **سیاق حدیث سے بھی یہی معنیٰ واضح ہو رہا ہے۔**

لفظ مولیٰ کا امام معہود و معلوم کے معنیٰ میں ہونا نہ کسی لغت میں ہے اور نہ شرع میں۔ ائمہ لغت میں سے کسی نے اس معنیٰ کو ذکر نہیں کیا ہے۔ مولیٰ کا معنیٰ اولیٰ لینے پر انکار اور اس ضمن میں دلائل کے ساتھ بحث کرتے ہوئے شیخ ابن حجر نے یہ فرمایا ہے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ
لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ
وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔

(پ۳ آل عمران ع ۷)

بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے ساتھ زیادہ حق دار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے۔ اور ایمان والوں کا والی اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں اولیٰ قرب و اتباع ہی کے معنیٰ کو واضح کر رہا ہے۔ ظاہر ہے اس سے امامت کے ساتھ اولیٰ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اگر اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ امامت ہی کے ساتھ اولیٰ مراد ہے تو اس سے فی الحال امامت پر دلیل قائم نہیں ہوتی بلکہ مآل اور انجام میں امامت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تینوں ائمہ (خلفائے راشدین) کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونا اجماع صحابہ سے ہے اور حضرت علی بھی اس اجماع میں داخل ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع صحابہ کے علاوہ دوسرے بہت سے قرائن موجود ہیں جن سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا خلیفہ برحق ہونا مسلم ہے اور حضور کو بھی یہ پسند تھا۔ اس لئے حدیث مذکورہ کسی فصل کے بغیر حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد حضرت علی کی خلافت پر کس طرح نص ہو سکتی ہے۔

اگر حضرت علی، حضرت عباس اور دیگر حضرات صحابہ اس حدیث کا مفہوم وہی لیتے جس طرح شیعہ حضرات نے سمجھا تو حضور سرور عالم کی وفات کے بعد فوراً ہی اسے حجت کے طور پر پیش کرتے لیکن نہ حضرت علی نے ایسا کیا اور نہ دیگر صحابہ کرام نے ہی ایسا کیا۔ بلکہ اس حدیث کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے وقت میں حجت لائے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا تقیہ کی بنا پر کیا تو یہ کذب و افترا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت کے دنوں تک حجت لانے سے خاموش رہنا اس امر پر دلیل ہے کہ حضور کی وفات کے بعد فوراً ان کی خلافت پر یہ حدیث نص نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اخبارِ صحیحہ کے مطابق اس حدیث سے نہ اپنی خلافت پر اور نہ کسی دوسرے کی خلافت پر نص ہونے کا اظہار کیا ہے۔ "غدیر خم" کے بعد حضور نے ایک خطبہ پڑھا جس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حقوق کو آشکارا کیا اور یہ فرمایا کہ تم دونوں پر کوئی شخص امیر نہیں ہوگا۔

"غدیر خم" والی مذکورہ حدیث کا مفہوم صحابہ کرام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت پر آمادہ کرنا اور ترغیب دینا ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں اہل بیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر کے ان کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کو جمع کر کے یہ بات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کو کسی وجہ سے بعض باتوں میں حضرت علی سے شکایت تھی۔ جب اس کی خبر حضور کو ملی تو سب کو جمع کر کے اس بات کی تاکید کر دی کہ حضرت علی میرے محبوب ہیں ان کے ساتھ ہر اس شخص کو محبت ہونی چاہیے، جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مرقاۃ المفاتیح" میں نہایہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے۔

لفظ مولیٰ کثیر معانی پر واقع ہوتا ہے اس کے بہت سے مختلف معانی ہیں جو ادب و لغت کے ملاحظہ سے معلوم ہوتے ہیں۔

رب (پروردگار، پرورش کرنے والا)۔ مالک۔ سید (سردار)، منعم (انعام کرنے والا)۔ معتق (آزاد کرنے والا)۔ ناصر (مدد کرنے والا)۔ محب (محبت کرنے والا)۔ تابع (پیروی کرنے والا) جار (ہمسایہ۔ پڑوسی)۔ ابن عم (چچازاد بھائی) حلیف، عقید، صہر (خسر)، عبد (غلام)، منعم علیہ جس پر انعام کیا جائے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر معانی ہیں ـــــ حدیثوں میں جو حضور سرورِ عالم کی زبانِ اقدس سے وارد ہے کہ "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" وہ ان ذکر کیے ہوئے اسماء میں سے اکثر پر محمول ہے۔

اس بحث سے مقصود صرف شیعہ حضرات کے مخصوص نظریہ کی تردید ہے۔ خلفائے راشدین پر تفضیل علی کا عقیدہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلافصل حضرت علی کی خلافت کا دعویٰ محض ذہنی اختراع اور کسی دلیل کے بغیر باطل عقیدہ کی اشاعت کر کے فتنہ و فساد کا دروازہ کھولنا ہے۔ ورنہ جہاں تک حضرت علی کی محبوبیت، فضیلت اور عظمت کا سوال ہے اس سے کسی مومن کو قطعی انکار نہیں۔ شخصی اور ذاتی اعتبار سے حضرت علی کی بزرگی و سرداری اور ان کے مقام کی رفعت و عظمت میں کسی بھی بندۂ مومن کے لیے شک کی گنجائش بھی نہیں۔

یہ امر یقینی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و نگرانی، صحبت و ہم نشینی، تعلیم و تہذیب نے ابتدا ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت سے اوصاف میں ایک امتیازی درجہ عطا فرمایا۔ احادیث مقدسہ کے ملاحظہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بلند مقامی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

● حضرت امام مسلم نے حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ إِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ۔

اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شق کیا اور ذی روح کو پیدا کیا۔ بے شک مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عہد فرمایا ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والا مومن ہوگا اور مجھ سے بغض رکھنے والا منافق ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان اور مومن ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے خلوصِ ایمانی کی شناخت اس سے ہوتی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کرے اور اپنے دل میں ان کو محبوب رکھے پھر اپنے عمل سے ان کی محبت کا اظہار کرے اگر ایسا ہے تو وہ مومن ہے اور اس کے خلاف ہونے کی صورت میں ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے بلکہ وہ شخص منافق ہے۔

● ترمذی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ۔

بے شک علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے ساتھ اپنے تعلق اور محبت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ علی میرے ہیں اور میں علی کا ہوں یعنی میرا اور علی کا تعلق اس طرح ہے کہ نہ وہ مجھ سے جدا ہیں اور نہ میں اس سے جدا ہوں۔ جو مجھ سے محبت کرے گا وہ علی سے ضرور محبت کرے گا اور جس سے میں محبت کروں گا علی بھی اس سے ضرور محبت کریں گے۔ علی تمام مومنوں سے محبت کرنے والے اور ان کے مددگار ہیں۔ اس کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ترمذی نے حضرت زید ابن ارقم سے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔

میں جس کا محبوب ہوں علی بھی
اس کے محبوب ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے (طفولیت کا لفظ اگر شیر خوارگی کے لئے مستعمل ہو تو اسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا جائے کہ صغر سنی اور بچپن ہی سے) حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے شب و روز کے لمحات گزارے تھے اور اس عقیدت و محبت و جاں نثاری کے جذبات کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زندگی کے ایام بسر فرمائے تھے کہ "تو من شدی من تو شدم" کی منزل میں پہنچ گئے تھے۔ حضرت علی کے جذبۂ فداکاری کی معراج اگر دیکھنی ہو تو مکہ سے مدینہ کی طرف سرکار دو عالم کی ہجرت کی رات کا واقعہ سامنے رکھئے۔ حضور کے بستر مقدس پر یہ جانتے ہوئے سو جانا کہ آج کی شب اس بستر پر سونے والے کے قتل کا مکمل فیصلہ کیا جا چکا ہے کمال ایثار اور معراج محبت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ـــــ

پھر حضور سرور کائنات کی حضرت علی کے ساتھ محبت کا اندازہ تو بے شمار واقعات سے ہوتا ہے لیکن صرف فتح خیبر کے واقعہ کو سامنے رکھئے۔ مسلمانوں نے خیبر کے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا ہے اور دشمنان دین قلعہ کا دروازہ بند کئے ہوئے صید گاہوں سے مسلمانوں کو شکار بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ آمنے سامنے دو بدو اگر اگر لڑائی ہو تو مقابلہ بھی کیا جائے۔ لیکن ایسی صورت میں مقابلہ بظاہر دشوار نظر آتا ہے خود حضور بھی اس غزوہ میں بہ نفس نفیس شریک ہیں۔

بخاری و مسلم نے سہل ابن سعد سے اس حدیث کی روایت کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید ایزدی اور فضل الٰہی کو سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لَاُعْطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ
غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی
یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ
وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔

میں کل یہ اسلامی جھنڈا اس مرد کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر کو فتح کرا دے گا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اس کو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔

حدیث شاہد ہے اور واقعہ مشہور ہے کہ حضور نے علم اسلامی حضرت علی کے ہاتھوں میں دیا اور خیبر فتح ہوا۔ ساتھ ہی اہل عالم پر یہ بات اچھی طرح آشکارا ہو گئی کہ حضرت علی کی ذات گرامی وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ہے۔ خود حضرت علی محب بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں۔

اس ضمن میں ایک حدیث اور ملاحظہ کیجئے جس کو ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے مدینہ پہنچے تو حضور نے انصار سے مہاجرین کا رشتۂ مواخات قائم کر دیا مہاجر اور انصار میں سے ایک ایک کا نام لے کر باہم بھائی چارہ کا سلسلہ جوڑ دیا۔ اس طرح ہر مہاجر کسی نہ کسی انصار کا بھائی بن گیا پھر وہ لوگ آپس میں حقیقی بھائی سے بھی زیادہ محبت کرنے لگے۔ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ چونکہ حضرت علی کا کسی انصار کے ساتھ رشتۂ اخوت قائم نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے حضور کی خدمت میں وہ غمزدہ آنسو بہاتے ہوئے تشریف لائے پھر حضور کے استفسار پر اپنے آنسو بہانے کا سبب بیان کیا تو حضور سرور عالم نے حضرت علی سے فرمایا۔

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ

تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے۔

پھر کسی دوسرے کے ساتھ تیرے رشتۂ مواخات کی حاجت کیا تھی تجھ کو میں اپنے سے الگ کیسے کر سکتا ہوں۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی تو بے حد مشہور ہے "انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابہا" میں علم کا شہر ہوں اور علی

اس کے دروازہ ہیں ۔ جب تک کوئی دروازہ کے پاس نہ آئے اس سے تعلق و رابطہ پیدا نہ کرے شہر علم میں داخلہ ممکن نہیں ۔۔۔ عالم اسلام میں علم و ولایت اور حق و معرفت کی شمعیں فروزاں کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولادِ مطہرہ کا فضلِ بے پایاں اور لطفِ بے کراں شامل ہے ۔

اہلسنت و جماعت کے عقیدۂ صحیحہ کے مطابق خلفائے راشدین کی ترتیب ہر اعتبار سے مکمل اور شرعی لحاظ سے ہر طرح درست ہے اس میں کسی قسم کا کلام قطعی مناسب نہیں تمام خلفائے راشدین اپنے اپنے اوصاف و کمالات میں الگ الگ امتیازی مقام کے حامل ہیں سبھی افضل و اکمل، ارفع و اعلیٰ درجات پر فائز تھے ان ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں امامت وخلافت کی ترتیب میں جہاں فضائل و کمالات تقویٰ اور عبادات پر نظر کی جاتی ہے وہیں تقدیم و تاخیر اور سن و عمر کی زیادتی اور کمی کا بھی اعتبار ہوتا ہے اس لحاظ سے خلافت میں حضرت علی کا مقام "چوتھا" اپنی جگہ بالکل درست ہے ۔ حضرت علی کی محبوبیت اور مقبولیت کی کچھ مثالیں آپ کے سامنے رکھی گئیں ۔ اہلِ علم و دانش اور صاحبِ فکر و نظر کے لئے اتنی مقدار بھی بہت کافی ہے ۔

مقامِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قبل اسلام

قبل اسلام کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مقدسہ کے ان چند برسوں سے ہے جو حضور کے اعلانِ نبوت اور حضرت علی کے اسلام لانے سے قبل گزرے ہیں ۔ دولتِ ایمانی سے مشرف ہونے کے بعد تو ان کی فضیلت، بزرگی اور رفعتِ مکانی میں کوئی کلام ہی نہیں یہ تو اظہر من الشمس ہے ۔ ابھی بحث ان ابتدائی چند سالوں سے ہے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی وحدانیت و عبادت اور اپنی رسالت کا پیغام اہلِ عالم کو نہیں سنایا تھا اور حضرت علی ایک بچہ کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے ۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ طیبہ یعنی اعلانِ نبوت کے بعد فوراً ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ایمان لے آئے اس وقت ان کی عمر آٹھ یا دس سال کی تھی ۔ "مواہب لدنیہ" میں ہے طبری کے بیان کے مطابق اسلام لانے کے وقت حضرت علی کی عمر دس سال کی تھی ۔ زرقانی نے کہا کہ ابن اسحاق کا قول بھی یہی ہے ۔ حضرت ابن الیفان نے حضرت عُروہ سے اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت علی جس وقت اسلام لائے اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی ۔

ردّ المحتار میں ہے کہ اسلام لانے کے وقت حضرت علی کی عمر شریف سات سال کی تھی اور کہا گیا ہے کہ آٹھ سال کی تھی اور یہی صحیح ہے کیونکہ بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے یہی روایت کی ہے کہ عمر شریف آٹھ سال کی تھی ۔

جو عاقل بچہ اسلام لائے وہ اسلام کے حکم میں مستقل طور پر ہوتا ہے کسی کی تبعیت سے اس پر دوسرا حکم جائز نہیں کیونکہ بلوغ یا اسلام کے بعد تابعیت منقطع ہو جاتی ہے پھر دوسرا حکم کس طرح جائز ہو سکتا ہے ۔

بعثتِ نبوی کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی وہ صحیح روایتوں سے واضح ہے پھر یہ امر بھی صاف، واضح اور روشن ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی ہیں ۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ سرکار کے اعلانِ نبوت کے پہلے ہی سے رہ رہے تھے جب قریش قحط کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے تھے تو حضور حضرت علی کو ابوطالب پر تخفیفِ عیال کا خیال کرتے ہوئے اپنی بارگاہ میں لے آئے تھے ۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں اسی طرح ذکر کیا ہے ۔

حضرتِ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے آغوشِ رسالت میں پرورش پائی ۔ ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی حضور کا جمالِ دل آرا دیکھا باتیں سنیں ۔ عادتیں سیکھیں تو ثابت ہوا کہ جب سے وہ ہوش میں آئے اللہ عزوجل کو جانا اور اپنا معبود مانا، بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا ۔

وہ چند سال جو پیدائش کے دن سے سرکار کی خدمت میں آنے تک حضرت علی نے اپنے والدین کے ساتھ گزارے وہ تو بالکل ناسمجھی کے ایام ہوتے ہیں جن میں نہ بچہ کو سمجھ ہوتی ہے اور نہ ادراک ۔ ظاہر ہے اس عمر میں کسی بچہ کو کافر نہیں کہا جا سکتا ۔

ناسمجھ بچے کو والدین یا دار کے تابع ہونے کی وجہ سے اگر کافر کہا جاتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہرگز نہیں کہ وہ حقیقت میں کافر ہے ۔ یہ بات بدیہی طور سے باطل ہے ۔ کیونکہ کفر تکذیب یعنی

جھٹلانے کو کہتے ہیں اور تکذیب ادراک و تمیز کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی۔ نافہم بچے پر والدین یا دار کی تابعیت کی وجہ سے کفر کا اطلاق صرف از روئے حکم ہے۔ شریعت اس پر وہ احکام جاری کرتی ہے جو اس کے باپ یا اہلِ دار پر جاری ہوتے ہیں۔ وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ صرف دنیاوی یعنی وہ اپنے کافر وارث کا ترکہ پائے گا۔ اس کا نکاح کافرہ کے ساتھ ہوگا۔ اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

فتح القدیر میں ہے۔ تَبَعِیَّۃُ الْاَبَوَیْنِ اَوْ اَحَدِھِمَا فِی اَحْکَامِ الدُّنْیَا لَا فِی الْعُقْبٰی
ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی کے تابع ہونا دنیا کے احکام میں ہے آخرت میں نہیں۔

بحر الرائق میں ہے۔ اِعْلَمْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالتَّبَعِیَّۃِ فِی اَحْکَامِ الدُّنْیَا لَا فِی الْعُقْبٰی
جان لو بے شک تبعیت سے مراد احکامِ دنیا میں تبعیت ہے آخرت میں نہیں۔

شرنبلالیہ میں ہے۔ التَّبَعِیَّۃُ اِنَّمَا هِیَ فِی اَحْکَامِ الدُّنْیَا لَا فِی الْعُقْبٰی۔
تبعیت بے شک وہ دنیا کے احکام ہی میں ہے آخرت میں نہیں۔

درمختار میں ہے۔ تَبَعٌ لَہٗ اَیْ فِی اَحْکَامِ الدُّنْیَا لَا الْعُقْبٰی لِمَا مَرَّ اَنَّھُمْ خُدَّامُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔
وہ اس کے تابع احکام دنیا میں ہوگا آخرت میں نہیں جیسا کہ گزرا کہ بے شک وہ لوگ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔

ان مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ تابعیت کی وجہ سے بچوں پر کفر کا حکم محض دنیاوی امور میں ہے جبکہ تبعیت مقصود بھی ہو ورنہ اس کا بھی کوئی سوال نہیں۔ اگر کسی بچہ کو دار الحرب سے گرفتار کر کے دار الاسلام میں قیدی بنا دیں یا بغیر قیدی کے رکھیں اور اس کے کافر ماں باپ دار الحرب میں ہوں تو دار کے اختلاف کی وجہ سے تبعیت منقطع ہو گئی اب اس بچہ کو دار اسلام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلم کہا جائے گا اس کے جنازہ کے متعلق حکم یہ ہے کہ کافر کا قیدی بچہ جو اپنے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو اس پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہے۔ ہاں اگر قیدی بچہ ماں باپ کے بغیر ہو تو وہ دار اسلام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان ہوگا۔

اس کے نکاح کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر دار متحد ہو یعنی اس کے والدین اور بچہ دار اسلام میں ہوں تو بچہ اپنے ماں باپ میں سے جو بہتر ہو ان کے تابع ہوگا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا دولتِ ایمان سے مشرف ہوئیں اور زمانۂ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد موحدہ تھیں جیسا کہ اکثر عورتوں کے متعلق یہی گمان ہے تو تبعاً بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے صغر سنی میں کفر کا لفظ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

اہل فترت ان کو کہا جاتا ہے جن کو انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو۔ اسی لئے حضور کے اعلان نبوت سے پہلے کے زمانہ کو دور فترت کہا جاتا ہے درمختار پر حاشیہ طحطاویہ میں ہے۔

اَھْلُ الْفَتْرَۃِ نَاجُوْنَ وَلَوْ غَیَّرُوْا اَوْ بَدَّلُوْا۔ زمانۂ فترت والے نجات یافتہ ہیں اگرچہ ان میں تغیر و تبدل بھی واقع ہوا ہو۔ خود قرآن حکیم کی آیت بھی اس کے لئے واضح دلیل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔
اور ہم انھیں عذاب دینے والے نہیں یہاں تک کہ ہم رسول کو بھیج دیں۔

اہلِ فترت کی تین قسمیں ہیں۔ موحّد جو خدا کو ایک مانتے تھے۔ مشرک جو اپنی جہالت کی وجہ سے غیر خدا کی پرستش کرتے تھے۔ غافل۔ سادگی یا دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے انھیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہیں ہوئی اور وہ بہائم کی طرح زندگی گزارنے لگے ان تمام کے بارے میں یہی حکم ہے کہ اگر کسی نبی کی آمد اور اعلانِ نبوت سے پہلے ہی یہ لوگ مر گئے تو نجات پائیں گے اور اس کے قبل والی باتوں پر ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ابو طالب پر کفر کا حکم اس وقت سے ہوگا جب وہ حضور کے اعلانِ نبوت کے بعد ایمان نہیں لائے اور اس وقت سے بہت پہلے حضرت علی حضور کے پاس تھے۔ فاطمہ بنت اسد کا بھی یہی حال ہوتا اگر وہ ایمان نہ لاتیں لیکن وہ تو حضور پر ایمان لے آئیں اور ان کے ایمان لانے کے پہلے ہی سے حضرت علی حضور کے پاس کفالت میں تھے۔

جب تابعیت صرف احکام دنیاوی میں ہے اور اس کا ثبوت احکامِ دنیا کے وجود پر

موقوف ہے جیسے میراث، نکاح، جنازہ، غسل جنازہ، کفن، دفن وغیرہ۔ جن ایام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے پاس تھے ان کے لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز کا وجود بھی نہیں ہوا تو پھر تبعیت کس چیز میں ہوگی اور یہ امر بھی واضح اور ظاہر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اعلانِ نبوت سے پہلے ان امور میں کوئی حکم شرعی، اصلاً اور اجماعاً نہیں پایا گیا۔ اسلئے اس وقت کسی ناسمجھ بچہ کا اپنے والدین کے ماتحت، زیر نگرانی اور تابع ہونے کی وجہ سے کافر قرار پانا ہرگز صحیح نہیں کیونکہ نہ کوئی حکم نازل ہے اور نہ ان کو تبعیت حاصل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مقدس ذاتِ گرامی پر تبعاً ہو یا حکماً، رسماً ہو یا وہماً کسی بھی طرح کفر کا لفظ کبھی بھی صادق نہیں آیا اور ان کو مبارک دامن کفر کی گندگی اور آلودگی سے روزِ الست سے ابدالآباد تک اصلاً، جزماً، قطعاً اور مطلقاً پاک وصاف اور منزہ رہا۔ یہ ان کی عظمت اور فضل وکرامت کی روشن دلیل ہے۔

مولائے کائنات سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تبحرِ علمی، زورِ شجاعت، فضیلت ایمانی، شانِ سخاوت، محاسن ظاہری وباطنی، کمالات صوری ومعنوی اور جذبۂ خلوص وایثار میں کسی بندۂ مومن کو قطعی شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ احادیث کریمہ اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے ہر بات نصف النہار کے چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ واضح اور روشن نظر آتی ہے۔ پھر مزید دلائل کی حاجت کیا ہے۔

مجھے اس مضمون میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقام عالی کی توضیح مقصود تھی وہ مختصر طور ہی پر سہی ناظرین کرام کے سامنے رکھ دی۔

مسلمانانِ اہل سنت وجماعت کا یہ ایمانی فیصلہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کی روشنی میں بالکل درست ہے کہ تمام انبیائے کرام کے بعد تمام لوگوں میں افضل حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان چاروں حضرات کے بعد ہی دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے خصوصاً شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر فضل وکمال میں افضل واعلیٰ بتانے والے یقیناً غلطی پر ہیں ایسا نظریہ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ دونوں کے خلاف ہے۔ ہم ان تمام مقدس حضرات کی جان ودل سے قدر کرتے ہیں ان سے محبت کرنے کو ایمان کا جزء سمجھتے ہیں اور ان تمام کی تعلیمات کو مشعل ہدایت جانتے ہیں۔ خلاقِ کائنات کی بے شمار رحمتیں ابدالآباد تک ان پر ہر آن اور ہر لمحہ نازل ہوتی رہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

(بقیہ صفحہ ۳۵ کا)

مرتبہ سوانح "منزل بہ منزل" زیر طبع انٹرنیشنل پبلیکیشنز، حیدر آباد میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔ سرِ دست ان کے آثار علمیہ میں ان نگارشات ومطبوعات کی تفصیل پیش خدمت ہے جو ان کے تخصصات کے زمرے میں آتی ہیں۔ میری مراد

(ا) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ___ ۱۹۵۷ء تا جنوری ۱۹۹۱ء (۳۱ سالہ)

(ب) امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز ___ ۱۹۷۱ء تا جنوری ۱۹۹۱ء (۲۰ سالہ)

سے ہے۔ واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی پر آپ نے ۱۹۷۰ء میں تحقیق کا آغاز کیا اور ۱۹۷۱ء میں پہلی کتاب منظر عام پر آئی تھی جسے مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا۔

آپ حیران ہوں گے کہ فرد واحد نے تن تنہا ایک اکیڈمی کا کام کیونکر سرانجام دے لیا۔ ہاں! اس بارے میں تو حیرت کو بھی حیرت ہے کہ تحریرات کا اس قدر تنوع! ___ یقیناً یہ ایک فقیر اور ولی کامل کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔ وگرنہ ایک عام آدمی کے بس کی بات نہیں کہ وہ اتنی جہتوں سے سیرت پاک اور رضویات کے حوالے سے انفرادی کارگزاری پیش کر سکے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آج تک کسی سے اپنی تحریر کی اشاعت کے لئے نہیں کہا ___ بلکہ لوگ تو ہاتھوں ہاتھ اس "تحفۂ درویش" کے لئے لپکتے ہیں، اُمڈ پڑتے ہیں جیسا کہ انھوں نے ناچیز کے نام محررہ کرم نامے (۳ر فروری ۱۹۹۱ء۔ سکھر) میں ارشاد فرمایا:۔

"فقیر اپنے متعلق کسی تحریر کی اشاعت کے لئے کسی سے نہیں کہتا بلکہ اپنی کسی تحریر کی اشاعت کے لئے نہیں کہتا۔ مولیٰ تعالیٰ خود بخود کرم فرما دیں تو بھیج دیتا ہے۔ اپنے لئے بندوں سے طلب وسوال زیب نہیں دیتا۔"

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

محمد اعظم حنفی قادری

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم مُبارک نُعمان تھا اور کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم، کیونکہ آپ اپنے وقت میں فقہ و اجتہاد اور تتبع کتاب و سنت میں بہت درجہ رکھتے تھے سرآمد فضلائے کاملین و علمائے متبحرین تھے۔ ان کے والد کا نام ثابت رضی اللہ عنہ تھا۔

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ثابت کا باپ حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور ثابت ساتھ تھا۔ آپ نے دونوں کی اولاد کے واسطے خیر و برکت کی دعا کی۔ امام اعظم فارسی النسل اور ابنائے فارس سے تھے۔ بحکم مرویہ بخاری و مسلم و متفقہ دیگر محدثین لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا وَفِی رِوَایَۃٍ لَوْ کَانَ الدِّیْنُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ فَارِسَ

ترجمہ: اگر علم ثریا میں ہو تو اہلِ فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے۔
(حاصل کرلیں گے)۔

ایک روایت میں علم کی بجائے دین کا لفظ ہے۔

آپ مخزنِ علم و ایمان تھے، وَرع و تقوٰی زہد و ریاضت میں قدم آگے تھا۔ اہلِ عرفان کے بڑے بڑے پیشوا مثل ابراہیم ادہم و فضیل بن عیاض و داؤد طائی و بشر حافی آپ سے مستفیض تھے۔ فقہائے محدثین میں سے عبداللہ بن مبارک، سُفیان ابن عیینہ، سفیان ثوری و عبدالرزاق و حماد بن زید و وکیع و اعمش و مُقری اُستاذ بخاری و ہیثم جیسے علمائے اعلام آپ کے شاگرد تھے۔

تعلیم دقائق کتاب و سنت و معارف کے لئے من جملہ شیوخ اس فن کے آپکو امام الانام زبدۂ خاندانِ نبوی، قُدوۂ دودمانِ مرتضوی جناب امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے خاص نسبت تھی اور بیعت بھی انہی سے تھی۔ مقاماتِ عُلیہ کی سیر حضرت ابنِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بحق ناطق امام ہمام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔

چنانچہ امام محمد و ابی یوسف اور وکیع سے منقول ہے کہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مزار پُر انوار پر بڑی عقیدت سے جاتے تھے۔ عتبہ (آستانہ) عالیہ کی خود جاروب کشی کرتے اور مجاوروں کو کچھ دیتے۔

حافظِ قرآن تھے۔ ہر ایک مسئلہ کے لیے بارہا تمام قرآن پر نظر کرتے، اجتہاد میں آپ کا پایہ عالی تھا۔ کتاب و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا طریق اقتباس نہایت ادق اور احوط ہے۔ اسلئے بعض نافہموں نے جو ان دقائق کو نہیں پہنچے، آپ کی شانِ والا میں بلباس تحکّم و استعلا کچھ کچھ کہا ہے۔

وَ نِعْمَ مَا قَالَ الْقَائِلُ

اِذْ لَمْ یَنَالُوْا شَانَہٗ وَ وَقَارَہٗ

فَالْقَوْمُ اَعْدَاءٌ لَّہٗ وَ خُصُوْمٌ

ترجمہ: چونکہ لوگ ان شان اور عظمت کو حاصل نہ کر سکے اس لئے اُن کے دشمن ہو گئے۔"

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو رتبہ تابعی ہونے کا بھی حاصل ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے صحابۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا ہے۔ چنانچہ شرح مشکوٰۃ ابن حجر مکی میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے آٹھ صحابہ کو دیکھا ہے ۱۔ انس بن مالک ۲۔ عبداللہ بن اوفیٰ ۳۔ سہل بن سعد ۴۔ ابوالطفیل۔

چار اور کہ جن سے بلا واسطہ روایت کی ہے۔ حنفیوں کے ہاں پچاس حدیثیں ایسی ہیں۔ واللہ اعلم

اور مثبتین سے کسی کا قول ہے۔ قطعہ

کَفَی النُّعْمَانَ فَخْرٌ اَمَّا رَوَاہُ

مِنَ الْاَخْبَارِ مِنْ غُرَرِ الصَّحَابَہْ

وَمَا خَیْرٌ مِّنَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

وَمَا خَیْرُ النَّبِیِّ اِلَّا اَصَابَہْ

ترجمہ: "نعمان کے لئے اُن کی روایات کا فخر ہی کافی ہے جو اُنہوں نے شرفائے صحابہ سے روایت کیں۔ خدائے بزرگ و برتر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بھلائی کو انہوں نے پالیا ہے۔"

ائمہ مجتہدین مثل مالک و احمد و شافعی رحمہم اللہ اکثر آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور استدلال میں آپ کی تعریف کیا کرتے بالخصوص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے کمال ارادت تھی وہ آپ کے مرقد شریف پر بھی جایا کرتے تھے توسل و تبرک حل مشکلات میں جناب الہٰی میں دُعا مانگتے۔ محافل و مجالس عامہ و خاصہ میں آپکا ذکر بہت کیا کرتے۔ انہیں کا قول ہے ہے

اُعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ
کَمِسْکٍ اِذَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ

ترجمہ: ہمارے لیے نعمان کے ذکر کا اعادہ کیے جاؤ، کیونکہ اس کا ذکر کستوری کی طرح ہے۔ جس کی خوشبو گھسنے کے تکرار سے مہکتی ہے۔

اور حضرت ابن مبارک نے کہا ہے ؎

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَیْھَا
اِمَامُ الْمُسْلِمِیْنَ اَبُوْ حَنِیْفَہ
بِاَحْکَامٍ اٰثَارٍ وَفِقْہٍ ! کَاٰیَاتِ الزَّبُوْرِ عَلَی الصَّحِیْفَہ
فَمَا فِی الْمَشْرِقَیْنِ لَہٗ نَظِیْرٌ وَلَا بِالْمَغْرِبَیْنِ وَلَا بِکُوْفَہ
یَبِیْتُ مُشَمِّرًا سَھَرَ اللَّیَالِیْ
وَصَامَ نَھَارَہٗ لِلّٰہِ خِیْفَہ

ترجمہ: مسلمانوں کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شہروں اور شہروں میں بسنے والوں کو زینت دے دی ہے۔ احکام شرعی، احادیث اور فقہ کے باعث جو آیاتِ زبور کی طرح اوراق پر مرقوم ہیں۔ پس نہ تو دونوں مشرقوں میں ان کی کوئی نظیر ہے اور نہ دونوں مغربوں میں اور نہ شہر کوفہ میں وہ مستعد عبادت ہو کر راتوں میں بیدار رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے دن کو روزہ رکھتے ہیں: "تبیض الصحیفہ ص ۳۸

مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ دکن

اعیان و اکابر اہل علم نے آپ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ کما قال غیر واحد

حَسْبِیْ مِنَ الْخَیْرَاتِ مَا اَعْدَدْتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ رِضَی الرَّحْمٰنِ !
دِیْنُ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْوَرٰی ثُمَّ اعْتِقَادِیْ مَذْھَبُ النُّعْمَانِ

ترجمہ۔ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ کی رضا کے لئے نیکیوں سے جو کچھ میں نے تیار کیا ہے وہ میرے لئے کافی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دین ہے۔ جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور پھر مذہب نعمان کی صداقت پر میرا اعتقاد ہے۔

آپ مستغنی عن التوصیف ہیں۔ آپ کے مناقب بے شمار اور اوصاف بیرون از احصار ہیں۔ اعلام مقلدین اور غیر مقلدین نے آپ کے مناقب و محامد میں بقدر ماتیسر تصنیفیں کی ہیں۔ ان کو دریافت کرنے کو کتب ذیل دیکھنی چاہئیں۔

1. خیرات الحسان فی ترجمۃ النعمان (علامہ ابن حجر مکی شافعی)
2. تبیض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ (حافظ جلال الدین سیوطی)
3. شقائق النعمان (علامہ جار اللہ زمخشری)
4. بستان فی مناقب الایمان (شیخ محی الدین عبد القادر ابن الوفا حنبلی)
5. کشف الاسرار (عبد اللہ بن محمد حارثی)
6. انتصار (یوسف بن فرغلی سبط ابن جوزی)
7. تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان (ابن کاس)
8. عقود الجمان فی مناقب النعمان (ابو عبد اللہ بن محمد دمشقی)
9. عقود الجمان فی مناقب النعمان (امام ابو جعفر طحاوی)
10. اکمال فی اسماء الرجال (صاحب مشکوٰۃ)
11. طبقات (ملا علی قاری)
12. مجلد (مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس)
13. کشف المحجوب (علی ہجویری داتا گنج بخش)
14. تذکرۃ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطار)
15. نافع الکبیر لمن یطالع جامع الصغیر (مولانا عبد الحیٔ فاضل لکھنوی)
16. جلب المنفعت (نواب صدیق حسن خان)
17. سیرت النعمان (علامہ شبلی نعمانی پروفیسر علی گڑھ کالج)
18. تنویر الحواس فی مناقب الائمۃ الثلاثۃ (مولوی محمد حسن)

اس کے سوا صدہا کتابیں امام صاحب کے مناقب میں ہیں اور لاکھوں اہل کشف کے اقوال شاہد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی و شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و الشیخ عبد الحق محدث دہلوی متاخرین سے اور بہت سے متقدمین سے منقول ہے۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ (آمین)

الامام الہمام ابوحنیفۃ

رضی اللہ عنہ

تاریخ تولد (عربی) ———— (سال ۸۰ ھ)

حیّ حمید	اللہ احد	حسیب
۸۰ ھ	۸۰ ھ	۸۰ ھ

جاء طابًا مطیبًا

۸۰ ھ

تاریخ وفات (عربی) ———— ۱۵۰ ھ

ھو الحق	قیۃ	علیہ	جاء الی اللہ زکیا
۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ

حلیم حمید	انہ عزیز	با ولی الحمید
۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ
ھادی صالح	معلّیٰ	جید الایمان
۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ

قلب حیّ	امام الھدی حی
۱۵۰ ھ	۱۵۰ ھ

وَاذا سألك عبد من عباد الله فقل من ولادته
فقل الله احد

۸۰ھ

وَاِن سألك عن انتقاله من الدنيا الى الله
فقل الله الوهب الابد

۱۵۰ھ

و ذهب عن الهدی	جاء الاحسن
۱۵۰ھ	۱۵۰ھ

عمرِ مبارک ———— ۷۰ سال

ھادے کل	ھدے الھادے	یٰس
۷۰ سال	۷۰ سال	۷۰ سال

الاذکی	حامد زاھد
۷۰ سال	۷۰ سال

بزبانِ فارسی

امام پاک حضرت بوحنیفہؒ
کہ ہردم نام حق بودش وظیفہ
چو از دُنیا برفت آں حق مجسم
ہوالحق سالِ رحلت داں لطیفہ
۱۵۰ھ

پاک ہادیٔ کل	پاک دل و پاک دین	نیک
۷۰ سال	۱۵۰ھ	۸۰ھ

بزبانِ اُردو

(۱) ۸۰
اُجلا ہوا دو جگ کہ پیدا ہوا امام
عامل تھا بر کتابِ خدا سنتِ رسول
معروف تھا عبادتِ حق میں رات دن
درگاہِ حق میں جاتے ہی یہاں سے ہوا قبول
۱۵۰ھ

(۲) دُنیا پہ آئے جان کی جان بنکے نورِ حق
دِل مُصدِّق ہے کے جاتے ہیں وہ امام دین
۷۹ ۱ ۱۴۶

بزبانِ پنجابی

اوہ اج اللہ کول آیا	اَج سیچ آیا
۱۵۰ھ	۸۰ھ

النعمان وھو الایمان

۱۵۰ھ

زاہد نجی	ہادی دین اللہ	امام الاوّل	وحد نسیب
۱۵۰ھ	۱۵۰ھ	۱۵۰ھ	۱۵۰ھ

محبوب حبیب	محبوب محمدؐ	او امام اولیاء بود
۸۰ھ	۱۵۰ھ	۱۵۰ھ

ولی پاک زادہ

۸۰ھ

حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

"کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں:۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اَیْنَ اَطلُبکَ؟ قَالَ عِندَ عِلمِ اَبِی حَنِیفَۃ ؒ یا رسول اللہ! (قیامت میں) حضور کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا ابو حنیفہ کے جھنڈے کے پاس"۔

اور میں (یعنی سیدنا گنج بخش علی بن عثمان جلابی) ملکِ شام میں سیدنا حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ موذنِ مسجدِ نبوی کے روضۂ مبارک کے سرہانے سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش میں لئے ہیں جس طرح والدین اپنے بچوں کو اپنی شفقتِ آغوش میں لے لیتے ہیں۔ باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں، میں نے دوڑ کر حضور کے پائے اقدس کی پشت کو بوسہ دیا۔ میں متعجب و حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں، حضور کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت اور دِل کی پریشانی پر اطلاع ہوگئی، حضور نے فرمایا یہ تمہارا امام ہے جو تمہارے ہی ملک کے ہیں، یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مجھے اس خواب سے اپنے ملک کے لوگوں سے بڑی اُمید ہوگئی۔ نیز اس خواب سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سیدنا امام اعظم ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے طبعی اوصاف فانی اور شرعی

احکام میں باقی وقت امام ہیں کیونکہ ان کو لے جانے والے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ [1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ پرہیزگاری اور تقوی کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد و استنباط کے نہایت بلند درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں اور دقت معانی کی وجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب رائے کہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ان کے علم اور درایت کی حقیقت اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاروں سے ان کی فقاہت کی دقت کو معلوم کیا اور کہا کہ تمام فقہاء ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ افسوس ان قاصر نظروں کی جرأت پر کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بے تعصب و تکلف یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی تمام مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت ابو حنیفہ کے مذہب کی پیرو ہے اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصول و فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ ....

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں اور احکام دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں اور اپنے معلومات کے سوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہزار افسوس ان کے خشک تعصب پر، فقہ کے بانی ابو حنیفہ ہیں اور لوگوں نے فقہ کے تین چوتھائی کو ان کے لئے مسلّم رکھا ہے الخ [2]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ امام شافعی کا مذہب موافق حدیث کے ہے اور ان کے مذہب میں حدیث کی پیروی زیادہ ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کا مدار رائے اور اجتہاد پر ہے، سو یہ کلام محض غلط اور صریح نادانی ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ اور اقوال صحابہ کا جاننا اور یاد رکھنا اجتہاد میں شرط ہے اور بغیر ان کے اجتہاد درست نہیں۔ پس جس صورت میں امام ابو حنیفہ کا اجتہاد تمام مجتہدین کے اجتہاد پر مقدم اور سابق اور بہت علماء و مجتہدین کے نزدیک ثابت اور تمام امت کا مقبول ہے تو پھر اس گمان فاسد کا کوئی محل نہیں۔ [3]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں۔ [4]

امام ابو حنیفہ اپنے زمانہ میں سب سے اعلم تھے۔ یہاں تک کہ امام شافعی نے کہا کہ سب لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ [5]

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و امام ابو یوسف سرداران اہل کشف و مشاہدہ ہیں۔ [6]

شافعی، مالک، احمد امام حنیف
چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام [7]

---

[1] کشف المحجوب (مترجم) ص ۱۵۰، ۱۵۱ مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور
[2] متوفی ۴۵۰ھ

[3] مکتوب نمبر ۵۵ حصہ ہفتم دفتر دوم ص ۳۲ تا ۳۳ مطبوعہ کراچی

[4] شرح سفر السعادت [5] فیوض الحرمین [6] عقد الجید [7] فتاوی رضویہ [8] حدائق بخشش

روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں ــــ خانوادۂ رضویہ پر تحقیقی کام

پروفیسر وسیم بریلوی کا عظیم کارنامہ

جناب عبد النعیم عزیزی کی تحریک پر روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی میں پروفیسر وسیم بریلوی صدر شعبۂ اردو بریلی کالج بریلی نے اپنی ذاتی دلچسپی اور خصوصی کاوش سے خود اپنی نگرانی و رہنمائی اور اپنے نائب پروفیسر نظامی کی نگرانی میں امام احمد رضا اور ان کے خانوادہ کے افراد پر چار اسکالروں کی پی۔ ایچ۔ ڈی کا رجسٹریشن کرایا اور عنوانات پاس کرائے۔

(۱) امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر۔ عبد النعیم عزیزی زیر نگرانی پروفیسر وسیم بریلوی (۲) امام احمد رضا کی نثر نگاری پر۔ مختار احمد بہیڑوی زیر نگرانی پروفیسر وسیم بریلوی (۳) مولانا حسن رضا خاں کی شاعری پر۔ ایک فاضلہ زیر نگرانی پروفیسر وسیم بریلوی (۴) مفتی اعظم کی شاعری پر۔ مجیب رضا۔ زیر نگرانی پروفیسر نظامی۔

مسعود ملت حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی

محمد عبدالستار طاہر (لاہور)

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا!

شیر اسلام میر سید واحد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:
"اگر دین کا چراغ روشن ہوگا تو میری صاحبزادی سے ہوگا"

اس خواب کی تعبیر اور ارمان کی تصویر، میر صاحب کے نواسے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی صورت میں سریر آرائے مسند رشد و ہدایت ہوئی۔ یوں تو آپ کے ددھیالی ننھیالی گھرانے اپنی حسبی نسبی نجابت سے معاشرے میں معتبر و ممتاز تھے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس خانوادہ جلیلہ کو جو عزو شرف قبلہ پروفیسر صاحب کی ذات سے بخشا، وہ بین الاقوامی سطح پر اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں بین الاقوامی سطح پر تعارف کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان انٹیلیکچوئل فورم کی طرف سے گولڈ میڈل دیا گیا ہے۔ ؎

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق، یک دانائے راز آید برون

آج حضرت مسعود ملت برصغیر پاک و ہند بلکہ بین الاقوامی سطح پر وہ واحد شخصیت ہیں جن کی ذات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ایسی اتھارٹی ہے کہ جن کی رہنمائی میں ملکی و غیر ملکی اہل قلم اپنی اپنی نگارشات کی آبیاری کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں تین صد سے زائد شہروں میں ان کی مراسلت ہے۔ رضویات سے متعلق قبلہ پروفیسر صاحب کے زیر نگرانی ہونے والے کام کی ایک جھلک ان کے مقالہ "امام احمد رضا اور عالمی جامعات" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ مقالہ بیک وقت تین ادارے، لاہور، صادق آباد اور کراچی سے شائع کر رہے ہیں۔۔۔۔

بقول سید محمد عارف صاحب:۔
"وہ ایک مثالی متعلم، قائل تقلید معلم اور باصلاحیت منتظم ہیں۔ ان کی شخصیت دور جدید میں گم کردہ راہ نوجوانوں کے لئے "چراغ راہ" کی حیثیت رکھتی ہے۔۔۔۔

وہ دین اسلام کے پرجوش مبلغ ہیں۔ ان کی تبلیغ نہایت ہی دلنشیں و دل آویز ہے۔ وہ دلوں کو تھامے ہوئے آگے بڑھتے ہیں"۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمعصر شخصیتوں میں سے ان لوگوں کے حالات منظر عام پر لائے جائیں۔ جنھوں نے موجودہ بے راہ روی کے دور سے نبرد آزما ہوتے ہوئے علم و عمل میں اسلاف کی یاد تازہ کر دی۔۔۔۔ ہمارے ممدوح پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی اسلاف کے جیتے جاگتے مظہر ہیں اور ہمارے ہی دور سے وابستہ ہیں۔ نئی پود کے لئے ان کی زندگی قابل تقلید نمونہ بن سکتی ہے۔ ہمارا ملی فرض ہے کہ ایسی سیرتوں کو اجاگر کریں۔

برصغیر کے مشہور عالم و ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے پوتے مسلم احمد ایم۔اے، حضرت پروفیسر صاحب کے بارے میں اپنی محبت اور عقیدت کا یوں اظہار کرتے ہیں:۔

"ابن علامۂ دہر حضرت مفتی محمد مظہر اللہ شاہ، برادر محترم میاں مسعود احمد صاحب، جو اپنے والد بزرگوار کی خصوصی توجہات سے فلاح دارین کا حصول مسعود کرنے کے بعد آج اپنی ذات گرامی میں وہ خصوصیات پیدا کر چکے ہیں جو ولی کامل کی اولاد میں ہونا چاہیے"۔

(مکتوب محررہ ۲۳ ذیلقعدہ ۱۳۸۷ھ یوم جمعۃ المبارک)

حضرت پروفیسر صاحب کے مشفق استاد اور مربی جناب پروفیسر ڈاکٹر

غلام مصطفےٰ خاں صاحب اپنے ہونہار اور باعثِ افتخار شاگردِ رشید کے بارے میں اس طرح رائے ظاہر فرماتے ہیں: ۔

"میری پوری مدت ملازمت میں وہ میرے سب سے بہترین شاگرد رہے ہیں۔ میں ان پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہوں۔ ان جیسے باوقار، باکردار اور باصلاحیت طلبا موجودہ حالات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ وہ زندگی میں کامیاب و بامراد رہیں"

پروفیسر سید عارف صاحب حیاتیاتی ادوار کا یوں تجزیہ پیش کرتے ہیں: ۔

"طالب علم کے مختلف ادوار ہوتے ہیں: پہلا دور "دورِ تلمیذ" ہے، دوسرا دور "دورِ خودنگری" ہے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ "مادامت الحیوۃ تحسن بہ" — اکثر و بیشتر حضرات پہلے دو ادوار کی تکمیل کے بعد اپنے آپ کو مکمل سمجھ کر زوال پذیر ہوجاتے ہیں کیونکہ احساسِ کمال ہی نقطۂ کمال ہے — بہت کم ہیں جو آگے بڑھ کر عظمتِ انسانیت دوبالا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ان میں سے ہیں جو،

ع ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو

شریعت مطہرہ کی پابندی ڈاکٹر صاحب موصوف کی سیرت کا نمایاں وصف ہے۔ ان کی ظاہری شخصیت میں بھی ان کا رنگ جھلکتا ہے۔ اگر ان کی شخصیت و کردار کے بارے میں اختصار سے کام لیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ باشرع اور باوضع انسان ہیں۔ اتباعِ شریعت میں یہاں تک اہتمام ہے کہ دورانِ ملاقات آج تک کسی موقع پر فوٹو نہیں کھنچوایا۔ اس لئے ان کے فوٹو کالج کے کسی میگزین میں شائع نہیں ہوئے۔ ڈاکٹر کے لفظ سے جو تصور ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہیں۔ چہرے پہ داڑھی، سر پر ٹوپی، شیروانی یا صرف کرتے میں ملبوس اپنے متناسب اعضائے جسمانی کے ساتھ وہ بڑے وجیہہ نظر آتے ہیں۔ خوددار و پر وقار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ طبیعت میں مزاح بھی ہے۔ کبھی کبھی اپنے ادبی چٹکلوں سے محفل کو زعفران زار بنا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اعزہ و اقارب اور احباب سے تعلقات قائم کرنے میں صلہ رحمی کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ خود بھی ملتے ہیں، دوسروں کو بھی ملاتے ہیں۔ اقربا کی ہر ممکن اعانت کرتے ہیں۔ خط و کتابت میں اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ اندرون و بیرونِ ملک کے احباب کو بھی بزبانِ قلم قریب کرلیتے ہیں۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کوئی خط انھیں لکھا ہو اور اس کا انھوں نے جواب نہ دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اعزہ و اقارب کے علاوہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، سعودی عرب، لبنان، ایران، عمان، ترکی، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، انگلینڈ، امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں ان کے احباب کی ایک طویل فہرست ہے۔

ڈاکٹر صاحب ادبی تحقیقات میں محققین میں شمار ہوتے ہیں اور یہ مقام انھوں نے بہت کم عرصہ میں اپنی علمی لگن، انتھک محنت اور خلوصِ عمل کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔ وہ ایک مثالی متعلّم، قابلِ تقلید معلّم اور باصلاحیت منتظم ہیں۔ ان کی شخصیت دورِ جدید میں گم کردہ راہ نوجوانوں کے لئے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

جہاں تک طرزِ تحریر کا تعلق ہے۔ ان کی تحریر کا سب سے نمایاں وصف ان کا بارعب اور باوقار اندازِ بیان ہے۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام سے انھیں عقیدت ہے۔ اور ان کی سوانح عمریاں ڈاکٹر صاحب کی اکثر و بیشتر نگارشات کا محور رہی ہیں۔ اس تعلق نے ان کے اندازِ تحریر کو بھی متاثر کیا ہے۔ اسی لئے ان کی تحریروں پر خواہ وہ محققانہ ہوں یا عالمانہ، ادیبانہ ہوں یا ظریفانہ، تقدس کی فضا چھائی رہتی ہے۔ ابتذال سے ان کا دامن پاک ہے۔ وہ شعرائے متقدمین و متوسطین کے اردو اور فارسی اشعار نگارشات میں اس طرح استعمال کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اسی موقع کے لئے شعر کہا تھا۔ کلامِ اقبال سے وہ بالخصوص استفادہ کرتے ہیں۔ وہ دہلوی ہیں۔ ان کے ہاں "دہلویت" نمایاں ہے۔ لیکن طبعاً وہ آفاقی ہیں۔ ؎

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

اپنے مضامین میں جب کبھی بے تکلف لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں تو اردوئے معلّی کی سی بہار نظر آتی ہے اور دلّی کی ٹکسالی زبان کا نکھار بھی!

گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں کے طلبا و اساتذہ اور کالج کے دوسرے ملازمین ان کے حسنِ خلق اور حسنِ انتظام کے اس قدر گرویدہ ہوگئے بلکہ بعض اساتذہ نے یہاں تک کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے خلافتِ راشدہ کا دور آگیا ہو۔

(تذکرۂ مسعود محررہ ۱۵ مئی ۱۹۷۶ء مشمولہ سیرت مجدد الف ثانی)

مولانا محمد عمر سندھی (اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس) اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:۔

"مولانا محمد مسعود احمد کی صحبت میں قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی۔ بخدا ہم تو اب مسلمان ہوئے ہیں۔"

پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش صاحب حق وابستگی کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

"جن ہستیوں نے تعمیرِ حیات میں اہم کردار ادا کیا، ان میں حضرت مفتی اعظم ہند کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔ عملی زندگی کے اسباق حضرت مفتی اعظم اور اپنی والدہ ماجدہ سے سیکھے ــــ تدریس کا ڈھنگ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر مدرس، مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی) اور حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب (پرنسپل اورینٹل کالج) سے سیکھا۔ اور تدریس میں تقویٰ و احتیاط حضرت مولانا ولایت احمد اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب (مدرسین مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی سے حاصل کیا۔ تحقیق کا سلیقہ حضرت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ) سے سیکھا ــــ تقریر و تحریر کا رنگ ان کا اپنا ہے۔

فیض پدری سے فقر و غنا کا رنگ غالب ہوگیا۔ چنانچہ موصوف شروع ہی سے اپنی نشست زمین پر رکھتے ہیں۔ سب سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ خطوط کے جوابات نہایت مستعدی اور پابندی سے دیتے ہیں۔ صلہ رحمی کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ لڑنا جھگڑنا ان کے مسلک میں نہیں۔ موصوف کی زندگی تو اس شعر کی عملی تفسیر ہے۔ ؎

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا

وہ اپنے دشمن کو محبت کی تلوار سے شکار کرتے ہیں۔ ان کا مسلک، مسلکِ محبت ہے۔ اس لئے اپنے بدخواہوں کو بھی دعائیں دیتے ہیں مخالفین کے خیر خواہ رہتے ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ڈاکٹر صاحب پر پے در پے حادثات گزرے ہیں۔ غم و الم ہی نے ان کے اخلاق و کردار کی حنابندی کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل موضوعات پر قلم اٹھایا ہے:۔

سیرت و سوانح، اخلاقیات، تاریخ، مذہبیات، قرآنیات، فلسفہ، لسانیات، سیاسیات، تاثرات، اسلامیات، نفسیات، ادبیات، اقبالیات وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب کی روزمرہ زندگی میں ایسے محیر العقول واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھے۔ بلامبالغہ ڈاکٹر صاحب سے مل کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان کی پرکشش شخصیت سے کوئی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان کا دل محبت و شفقت کے امڈتے ہوئے جذبات کا بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ ان کا سینہ انوار و تجلیات کا خزینہ ہے۔ آپ کی نورانی تربیت سے نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے انسان راہِ راست پر آگئے اور آپ کے روحانی اثرات سے نہ جانے کتنے دل نورِ ایمانی سے جگمگانے لگے۔

بلاشبہ اس گئے گزرے زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی ہمہ گیر شخصیت ایک ایسا مینارۂ نور ہے جس کی روشنی میں علم و عمل میں ہم آہنگی پیدا کر کے منزلِ مراد حاصل کی جا سکتی ہے۔"

(مولانا محمد مسعود احمد۔ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء)

مشہور عالم دین مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"حضرت پروفیسر صاحب نے اپنی خداداد قلمی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا بلکہ ان کا قلم اسلامی تعلیمات اور مفکرین اسلام کی خدمات کو اجاگر کرنے میں مصروف رہا۔

آپ کا امتِ مسلمہ بالخصوص اہلسنت و جماعت پر ایک عظیم احسان یہ ہے کہ آپ دورِ حاضر کے عظیم مصلح و مجدد اور علم و حکمت کے بحرِ بے کنار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی شخصیت کو بغض و عناد کی دبیز تہوں سے منصۂ شہود پر لائے اور جدید انداز میں آپ کے علمی و تجدیدی کارناموں کو پیش کیا۔ جس سے موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ بے حد متاثر ہوا اور مخالفین کا پھیلایا ہوا بے بنیاد اور جھوٹا پروپگنڈہ اپنی موت آپ مر گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے اہلسنت و جماعت کے قلمکاروں کو نئے اندازِ نگارش سے روشناس کرایا۔"

(تعارف علماء اہلسنت۔ مطبوعہ ۱۹۷۹ء لاہور)

انھیں حضرت مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی گوناگوں قلمی بوقلمونیاں سینۂ قرطاس پر اپنے جلوے دکھا رہا ہے ــــ ان کے آثار علمیہ کا مکمل ۴۰ سالہ جائزہ (۱۹۵۱ء تا ۱۹۹۰ء) تو ناچیز کی

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

خیابانِ حجاز

حضرت شاہ محمد نعیم عطا سلونی

الٰہی ہم مدینہ دیکھ پاتے اپنی آنکھوں سے
برستا ابر باراں کا دکھاتے اپنی آنکھوں سے
غم ہجراں میں جب گرتا زمیں پر اشک کا قطرہ
ادب سے دوڑ کر اس کو اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
یہی حسرت رہی پھر خواب میں تشریف وہ لاتے
کہ پھر خاکِ قدم پا کر لگاتے اپنی آنکھوں سے
نبی سے یہ نہیں کہتا کہ روکیں موت آنے کو
وہ حالِ نزع میرا دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے
زبان حال میں پیدا تو ہوتی آتشِ گویائی
فسانہ ہجر کا ہم کہہ سناتے اپنی آنکھوں سے
دوبارہ نوح کا طوفان عالم میں بپا ہوتا
اگر ہم اشک کا دریا بہاتے اپنی آنکھوں سے
سجودِ عشق میں راہِ مدینہ قطع ہو جائی
وہ روضہ دیکھ پاتے ہم جو جاتے اپنی آنکھوں سے
خس و خاشاک کوئے مصطفےٰ نظروں میں رکھ لیتے
اگر جاروب مژگاں کی بناتے اپنی آنکھوں سے
بلانے سے فقط مداح کا رتبہ بڑھاتا تھا
طلب کی کیا ضرورت تھی ہم آتے اپنی آنکھوں سے
وہ لگتی ٹکٹکی تار نظر ہر سمت بندھ جاتا
مزار پاک پر چادر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے

نعیم اپنے مقاصد میں یقیناً کامیابی ہے
مدینے چل کے قسمت آزماتے اپنی آنکھوں سے

شبنم کمالی

حریم عرش کے جلوے نظر میں گھر بناتے ہیں
غلامانِ شہِ ابرار جب نعتیں سناتے ہیں
نبی کے قرب کی لذت ہمیشہ دل میں پاتے ہیں
مدینہ کے ہر اک ذرہ کو چومو نوکِ مژگاں سے
معطر اس لئے ہے آج بھی طیبہ کا ہر رستہ
تصورِ جاں گسل ہوتا ہے کتنا پوچھیے اُن سے
مرے سرکار کے حُسنِ تبسم کا یہ صدقہ ہے
شبِ معراج یوں آقا بڑھے ہیں عرش کی جانب
مسلماں موت کو کیسے نہ عید عاشقاں سمجھے
پھرا کرتے ہیں آنکھوں میں مناظر شہر طیبہ کے
جبین شوق ہو سرکار کے روضہ کی چوکھٹ ہو
تقاضا علم کا یہ ہے انھیں خیر البشر کہیے
نبی کے پاؤں پر جاں دے کے سعد اسلمی بولے
دفورِ عشق کی بیتابیاں تسلیم ہیں لیکن

غبارِ شہر طیبہ کو جو آنکھوں سے لگاتے ہیں
بشر پہ منحصر کیا ہے فرشتے جھوم جاتے ہیں
چراغِ عشق سے جو دامنِ مژگاں سجاتے ہیں
یہ ذرے بارشِ انوار میں ہر دم نہاتے ہیں
مرے سرکار اس رستہ سے اب بھی آتے جاتے ہیں
دیارِ شاہِ دیں کو دیکھ کر جو لوٹ آتے ہیں
زمیں پہ پھول تارے آسماں پر مسکراتے ہیں
حجاباتِ نظر جتنے بھی ہیں سب اٹھتے جاتے ہیں
حبیبِ کبریا مرقد میں جب تشریف لاتے ہیں
مجھے احباب جب فردوس کے قصے سناتے ہیں
مقدر میں وہ لمحے خوش نصیبوں کے ہی آتے ہیں
مگر جو اہلِ دل ہیں جانِ جاں ان کو بتاتے ہیں
جو عاشق ہیں کبھی غیروں کو خاطر میں نہ لاتے ہیں
وہی طیبہ میں جاتے ہیں جنھیں آقا بلاتے ہیں

مجھے خالق نے شبنم نعت گوئی کا شرف بخشا
سرِ عرش بریں قسمت کے تارے جگمگاتے ہیں

انوکھی تمنّا

سیّد اولاد رسول قدسی۔ ایم۔ اے۔ الجامعۃ الاشرفیہ۔ مبارکپور

ذرّہ ذرّہ گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے حصار میں گھرا ہوا تھا۔ دور دور تک کہیں چرند و پرند کا سایہ بھی منڈلاتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں صبح کے اجالوں کا شدّت سے انتظار کر رہے تھے۔ اور چرندے اپنے مالکوں کی پھٹکار سے تنگ آکر کچھ آرام پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور انسان دن بھر کی فکرِ معاش سے نجات حاصل کر کے سکون کی نیند سو رہا تھا۔ عرب کے تمام ریگزار آفتاب کی آتش فشانیوں پر سرد آہیں بھر رہے تھے۔ گویا چاروں طرف سنّاٹوں کا سخت ترین پہرہ بیٹھا ہوا تھا۔

مگر بدر کی تپتی ہوئی زمین اگرچہ آفتاب کی تپش سے نجات پا چکی تھی۔ لیکن کل کی ہونے والی خوں آشام جنگ کے بارے میں سوچ کر اس کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ اور اس کا پورا خطّہ خیموں سے ایسا بھرا ہوا تھا جیسے کسی پہاڑ پر جگہ جگہ چٹانوں کی غیر مرتب قطار لگی ہوئی ہو۔ ادھر ابوجہل اپنی فوجوں کے سامنے جنگی ہدایتوں کے ساتھ ساتھ شاندار کامیابی کی ڈینگیں مارتا ہوا تھک چکا تھا اور اس کی فوجیں خوش فہمیوں کے خطرناک جال میں پھنس کر بڑی لاپرواہی سے خرّاٹے لے رہی تھیں۔ اِدھر سرورِ کائنات کی زبانِ اقدس سے فتح مبین کی عظیم بشارت سن کر آپ کے جاں نثار سپاہیوں کے دلوں میں جذبات و ایثار کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ رات کی طوالت اژدہا کی طرح انھیں ڈس رہی تھی۔ اور ہر فرد بڑی بے چینی سے اس انتظار میں تھا کہ جلد صبح کا سپیدہ نمودار ہو تاکہ ہم دشمنانِ دین کے سامنے ہمّت و جواں مردی کا مظاہرہ کر کے ان کے کبر و نخوت کا خاتمہ کر سکیں اور یہ ثابت کر دیں کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیت میں قلت میں بھی کثرت کے جلوے موجزن رہتے ہیں۔

رات کے اخیر حصّے میں سرکار کا ایک فدائی اپنے خیمے میں بیٹھ کر بارگاہِ خداوندی میں بڑی گریہ و زاری اور انہماک و استغراق کے ساتھ ہاتھوں کو اٹھائے دعا کر رہا ہے۔

الٰہ العالمین! تو عالم الغیب والشہادۃ ہے تو جانتا ہے کہ کل کفر و اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے۔ ہزاروں دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں ہم صرف تین سو تیرہ ہیں ان کے نزدیک نہ گھوڑوں کی کمی ہے اور نہ اونٹوں کی۔ تلواروں کی قلت ہے اور نہ تیروں کی۔ غرض یہ کہ ان کا ہر ہر فرد قیمتی سے قیمتی جنگی ہتھیاروں سے لیس ہے۔ ان کا سینہ کبر و نخوت سے اکڑا ہوا ہے وہ اس خیال سے کل میدانِ جنگ میں اتر رہے ہیں کہ ہم بے سر و ساماں نہتے مسلمانوں کو چند لمحوں میں شکستِ فاش دے کر رہتی دنیا تک اسلام کے لئے ایک عظیم چیلنج ثابت کر دیں۔ ابوجہل، ولید، عتبہ و شیبہ جیسے سرخیلانِ عرب یہ یقین دہانی کرتے ہوئے کفّارِ مکّہ کو ورغلا کر میدانِ بدر میں لائے ہیں کہ ہمیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے مسلمانوں کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہی دم لینا ہے۔ میرے مولیٰ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے پاس نہ اسلحہ جات کی فراوانی ہے اور نہ جنگی سواریوں کی بہتات! ہم ناموس توحید و رسالت کے تحفظ کے لئے کفر کے بالمقابل تہی دست میدان میں اتر پڑے ہیں۔ لیکن اس بات پر ہمارا ایمان و ایقان ہے کہ تیری نصرت و مدد بڑی سے بڑی طاقتوں کو پل بھر میں پامال و تاراج کر دیتی ہے۔ انھوں نے مادی ہتھیاروں پر بھروسہ کیا ہے اور ہم نے تجھ پر اور فقط تیری ذات پر! اور ہمارا یہی توکل ہمارے لئے مادی اسلحوں سے بڑھ کر کہیں زیادہ قوی اور طاقت ور ہے اور یہی ہمارا

فتح وظفر کا باعث وضامن ہے۔

"بارالٰہ! میرے دل میں یہ آرزو مچل رہی ہے کہ کل میدانِ بدر میں میرے مقابل ایک نہایت قوی ہیکل، جنگجو بہادر سپاہی آئے میرے اور اس کے درمیان گھمسان کی جنگ چھڑے اس کی تلوار نیام سے باہر ہو کر میرے سر پر چمکنے لگے اور میری تلوار بھی اس کے سر پر لہرانے لگے ایک دوسرے پر نیزے جھکیں، تیر سنسنائیں اور لوگ ہمارے اس تاریخ ساز مقابلے کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے بحرِ عمیق میں غرق ہو جائیں۔ بالآخر میری تمنّا یہ ہے کہ میں اس پر ایسا وار کروں کہ وہ اس کی تاب نہ لاکر واصل الی جہنّم ہو جائے۔"

جوں ہی مذکورہ صحابی کی دعا ختم ہوئی حضرت عبداللہ ابن جحش خداوند قدوس کی بارگاہ بے نیاز میں دست بدعا ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔

"پروردگار! ابھی ابھی میرے بھائی نے تیرے حضور اپنی فتح یابی اور غازی بننے کی حسین ترین دعا کی ہے یہ بندۂ ناچیز بھی تیری عظیم بارگاہ سے اپنے کاسۂ تہی دست میں کچھ نوازش و کرم کی بھیک مانگ رہا ہے اور اپنی دیرینہ سرفروشی کی تمنا پیش کر رہا ہے۔ یا اللہ! میری ان تاریک تمناؤں کو اجابت کے نور سے منور و مجلّی فرمادے عین میرے بھائی کی طرح میری آرزو بھی یہی ہے کہ کل میدانِ کارزار میں میرے مقابل ایک نہایت ہی جنگجو ظالم و سفاک سپاہی آئے اور ہم دونوں کے مابین ایک پر دہشت و ہیبت ناک جنگ ہو میں اس پر وار کروں اور وہ مجھ پر شدید سے شدید تر حملہ کرے مگر میری تمنا یہ نہیں ہے کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتار کر غازی کے معزز لقب سے ملقب ہو کر جاہ و حشمت دلیری و بہادری کا شہ سوار بن جاؤں بلکہ میری قلبی دعا یہ ہے کہ دورانِ جنگ وہ مجھ پر ایک ایسا وار کرے کہ میں بدر کی تپتی ہوئی ریت میں گر کر شہادت کے جام لبالب سے مدہوش ہو جاؤں نہ صرف یہ کہ وہ میرے سر کو تن سے جدا کرے بلکہ میری ناک کان اور زبان کو کاٹ کر جسم سے الگ کر دے۔ اور بعینہ اسی حال میں کل روزِ قیامت تیری بارگاہ میں میری پیشی ہو اور تو مجھ سے دریافت فرمائے کہ اے میرے حبیب کے جاں نثار! میں نے تجھے خوبصورت ناک اور کان عطا کئے تھے انھیں کہاں چھوڑ آئے۔ میں نے تجھیں حلاوت آگیں زبان دی تھی وہ کہاں گئی۔ تو میں سر خمیدہ دست بستہ عرض کروں کہ میرے خالق و معبود! یہ تیرا بے پایاں کرم تھا کہ تو نے مجھے متناسب الاعضاء پیدا کیا تھا میں تیری ان عطاؤں کا شکر کیسے بجالاؤں؟ تیری بارگاہ میں عبداللہ کی زندگی کا سارا اثاثہ قربان ہو! میں نے تیرے عطا کردہ ناک کان اور زبان کو تیری مقدس راہ میں تیرے حبیب کی رضا جوئی کی خاطر خوشی خوشی بدر کے میدان میں کٹوا دیا ہے۔"

دیوانے کے لب ہائے نازک سے عجیب و غریب سرفروشانہ کلمات کیا نکل رہے تھے دنیا کا ذرّہ ذرّہ اس کی دیوانگی پر حیرت و استعجاب کا پیکر بنتا جا رہا تھا اس کی "انوکھی تمنا" کو سن کر فرشتے حسرتوں کی دل فریب تصویر بنتے جا رہے تھے۔ فرش سے عرش تک ایک عجیب رقت انگیزی کا سماں بندھ چکا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد جوں ہی شب دیجور نے اپنے رخ سے سیاہ نقاب اٹھایا عروسِ صبح اپنی تمامتر جلوہ سامانیوں اور دلکش رعنائیوں کے ساتھ عالم کے اطراف واکناف میں بکھرنے لگی پھر رفتہ رفتہ آفتاب عالمتاب نے اپنی ضیابار کرنوں سے دنیا کے چہرے پر تازہ نور بھر دیا۔ پھر کیا تھا؟ چاروں طرف مخلوق خداوندی کسب معاش اور فکر زیست میں سرگرداں نظر آنے لگی لیکن بدر کا بے آب وگیاہ چٹیل میدان جہاں خال خال کسی قافلے کا گزر ہو جایا کرتا تھا ـــــ مگر آج اس کے سینے پر دو متضاد صفیں آراستہ و پیراستہ نظر آرہی تھیں۔ میمنہ، میسرہ، صاعقہ اور قلب سے مرتب دو فوجی دستے جوں ہی متصادم ہوئے تلواروں کے چلنے کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ تیروں کی سنسناہٹ سے ریگزار کا سینہ کانپ اٹھا ہر فریق ایک دوسرے کو تہ تیغ کرنے کی سعی پیہم کر رہا تھا۔ ابوجہل کے بزدل و نامراد سپاہی مسلمانوں کو خون آلود کر کے بے حس و حرکت تڑپتا دیکھنے کی لاحاصل آرزوؤں میں مچل رہے تھے مگر مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تمام ابوجہلیوں کی آنکھیں یہ دیکھ کر تیرہ و تاریک ہو رہی تھیں کہ مسلمان جنگجو جوان سپاہی تو در کنار! مدینے کے کمسن بچے اور ضعیف العمر اسلام کے جاں نثار اپنی ہمت و جوانمردی کے بے مثل جوہر دکھا رہے تھے۔ جس طرف گھس جاتے صفوں کی صفیں الٹ دیتے۔ اس بات سے نادان بالکلیہ نابلد و ناآشنا تھے کہ فتح یابی کا ضامن مادی قوتیں نہیں ہوتیں بلکہ روح کی بالیدگی اور ایمانی جوش و خروش ہوا کرتے ہیں۔

امیر حمزہ اور شیر خدا سورمائے عرب کو چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ کفار مکہ کا ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا آخر یہ غیر متوقع نتائج کیسے ہوتے جا رہے ہیں۔

اثنائے جنگ وہ صحابی جنھوں نے فتح یابی اور غازی بننے کی کل رات دعا مانگی تھی ان کی مڈبھیڑ ایک نہایت قوی ہیکل بہادر سے ہوتی ہے دونوں اپنی جوانمردی و بہادری کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ معاً صحابی رسول اس درندہ صفت کافر کے سر پر ایک ایسا وار کرتے ہیں کہ فوراً اس کا سر قلم ہو جاتا ہے۔ آپ کے چہرے پر مسکراہٹوں کی کلیاں بکھرنے لگتی ہیں اور خدا کی بارگاہ میں سر نیاز خم کر کے تشکر بجا لاتے ہیں۔ یا اللہ تو ہم نہتے مسلمانوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ کل ہی میں نے دعا مانگی تھی اور صبح ہوتے ہی تو نے میری دعا کو جابت کی خوشبوؤں سے معطر کر دیا۔ فوراً آپ کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور آپ کی نگاہیں میدان کے وسط میں مرکوز ہو جاتی ہیں جہاں موت و زیست کا ہیبت ناک نقشہ نظر آ رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت انھیں خیال آتا ہے ارے! کل میرے بھائی عبد اللہ نے تو ایک عجیب و غریب تمنا کی تھی ذرا چل کر دیکھیں تو سہی ان کا کیا حال ہے؟ آگے بڑھے تو دیکھا عبد اللہ ایک ظالم و سفاک ابو جہلی کے ساتھ بری طرح متصادم ہیں۔ آپ صفوں کو چیرتے ہوئے بے تحاشہ دوڑے اور جب حضرت عبد اللہ کے قریب ہوئے تو یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑنے لگے کہ آپ متعدد زخموں سے چور ہو چکے ہیں۔ اور ان کی سانسیں جواب دے رہی ہیں۔ مگر زبان اقدس سے نعرہ رسالت کے فلک شگاف نعرے گونج رہے ہیں۔ اور بہ بانگ دہل آپ کی زبان یہ اعلان کر رہی ہے۔

فزت برب الکعبۃ فزت برب الکعبۃ۔

رب کعبہ کی قسم! میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو گیا۔

جب یہ آواز لات و عزیٰ کے پرستار کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک اٹھا اور بڑی توجہ کے ساتھ بار بار اس انوکھی کامیابی کی صداؤں کو سننے کی اپنے اندر تاب فراہم کر رہا تھا۔ اور اپنے تئیں یہ سوچتا جا رہا تھا کہ کہیں زبان کٹ کر بھی بولا کرتی ہے؟ کیا کوئی مقتول قتل کے بعد بھی اپنی فتح و ظفر کا اعلان کرتا ہے؟ ناگہاں اس کی نگاہیں اپنی خوں آشام تلوار پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور وہ کہتا ہے کہ دنیا اس انسان کو فاتح و جوانمرد کے نام سے یاد کرتی ہے جس کی تلوار خون سے رنگین ہوتی ہے۔ دنیا اسے کامیاب و کامران کہتی ہے جو کسی مظلوم کے جسم کو تیروں سے چھلنی کر کے خون سے لالہ زار تڑپتا ہوا چھوڑ دے۔ مگر یہ کیسے مذہب کا ماننے والا ہے؟ اسے کیسی مے توحید پلائی گئی ہے کہ یہ کٹنے اور مرنے کے بعد بھی اپنی عظیم الشان فتح یابی کے انمٹ نقوش دنیا کے ماتھے پر ثبت کر کے جا رہا ہے؟ اس کے دل میں چھپا ہوا کفر متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس کا شرک خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑنے لگتا ہے اس کے نفاق کا سینہ زخم خوردہ ہو کر آہیں بھرتا ہے اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑتا ہے کہ ارے او نابکار!!! کھڑا سوچ کیا رہا ہے اب بھی تیرے اندر حقیقت و منزل رسی کی شمعیں فروزاں نہیں ہوتیں۔ جا! فوراً اس محسن انسانیت کی بارگاہ میں جا! اور ان کے قدموں کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لے۔ یہی وہ ہستی ہے جس کے قدموں سے لپٹنے کے بعد انسان کے اندر توحید کا ایسا نشہ چڑھ جاتا ہے کہ اس کے سامنے موت و زیست کے درمیان کوئی خط امتیاز نہیں رہتا راہ حق میں اپنی جان کو قربان کر دینا اس کے لئے بازیچۂ اطفال کے مترادف ہوتا ہے۔ ہاں ہاں!!! اسے اپنے رسول کی محبت میں سرشار ہو کر سر کٹانے اور لہو سے وضو کرنے میں ایسی کیف پرور لذت ملتی ہے کہ جسے دنیا کی کوئی شی فراہم نہیں کر سکتی۔

فوراً اپنی تلوار زمین پر پھینکتا ہے اور محسن کائنات کی بارگاہ میں پہنچ کر کفر و شرک کی گردن مروڑ کر دیوانگی کیف و مستی کے اتھاہ ساگر میں ڈوب جاتا ہے۔

سری نگر اور پانپور (کشمیر) میں حجاز جدید دہلی اور ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور کی ایجنسال

۱۔ صاحبزادہ محمد امین علوی۔ صدر ورلڈ اسلامک مشن کشمیر۔ ساکنہ۔ محلہ ملک یار (نیو فتح کدل) سری نگر کشمیر

۲۔ محمد سبحان صوفی۔ آرگنائزر ورلڈ اسلامک مشن تحصیل پانپور (ضلع پلوامہ) ساکنہ کدلبل (متصل تولی مسجد) پانپور۔ ضلع پلوامہ۔ ۱۹۲۱۲۱۔ کشمیر

چند جواہر ریزے

محمد شمشاد علی غوثی، دار العلوم رضویہ شفیع آباد

ایمان کی سند

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ط متفق علیہ

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کا کوئی بھی اس وقت تک ایمان والا (مومن) نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے ماں، باپ اور دنیا کے سارے لوگوں سے زیادہ محبوب و مطلوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری و مسلم)

جھوٹی روایت

عن سمرۃ بن جندب و مغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدث منی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین

(رواہ مسلم)

حضرت سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص میری طرف سے ایسی بات نقل کرے جسے وہ جھوٹ جانتا ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ مسلم

خدا کو ایذا

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی یؤذینی ابن ادم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ مجھے انسان ایذا دیتا ہے۔ وہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے۔ حالانکہ زمانہ کا موثر میں ہوں اور اپنے دست قدرت سے رات اور دن بدلتا رہتا ہوں۔ بخاری و مسلم

یہ حدیث قدسی ہے۔ اقل کو چھوڑ کر اکثر لوگ آجکل یہ کہتے ہوئے ذرا بھی عار نہیں محسوس کرتے کہ زمانہ خراب ہے جبھی تو ایسا ہوا۔ ویسا ہوا۔ ہائے رے زمانہ، کیسا ظالم زمانہ ہے یہ؟ وغیرہ وغیرہ۔



علم کا درس

عن ابن عباس قال تدارس العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیائھا۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات میں ایک ساعت علم کا درس تمام رات کی بیداری سے

سے افضل ہے۔ (دارمی)

بڑا سخی کون

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ

الخ

(رواہ بیہقی)

حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم جانتے ہو کہ بڑا سخی کون ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا جواد ہے پھر اولاد آدم میں میں بڑا سخی اور داتا ہوں اور میرے بعد بڑا سخی وہ شخص ہے جو علم سیکھے پھر اسے پھیلائے۔

رسول اور بخشش

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ لِاُبَايِعَكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهٗ فَقَبَضْتُ يَدِيْ فَقَالَ يَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا قُلْتُ اَنْ يُغْفَرَ لِيْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ۔

(رواہ مسلم)

حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ آپ کی بیعت کروں آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے سمیٹ لیا حضور نے فرمایا یہ کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں ارشاد فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری بخشش ہو جائے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرو تمہیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے گناہ ڈھا دیتا ہے اور ہجرت پچھلے گناہ ڈھا دیتا ہے اور حج بھی پچھلے گناہ ڈھا دیتا ہے۔ (مسلم)

اس سے وضاحت ہوتی ہے کہ بیعت سنت ہے۔ صحابہ اسلام لاتے وقت بیعت استقامت فرماتے تھے اور بخشش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتے تھے۔ حالانکہ بخشنا اللہ کا کام ہے۔ لیکن صحابہ کا کمال ایمان دیکھئے کہ حضور کو بندہ مختار مان کر بخشش کے طلبگار ہو رہے ہیں۔

سرکار کے دیوانوں کو سمجھائے کیا دنیا
یہ خوب سمجھ بوجھ کے دیوانے ہوئے تھے

نعت شریف

امیر علی امیر رائے پوری

باب اخلاق کھلا درس حرم سے پہلے
چشم فیاض اٹھی دست کرم سے پہلے

کوئی محبوب الٰہی کا شرف پا نہ سکا
سیکڑوں آئے نبی شاہ امم سے پہلے

دربدر پھرتی رہی ٹھوکریں کھاتی دنیا
پائی منزل نہ ترے نقش قدم سے پہلے

دست صناعی قدرت کا ہے نقش اول
کون تھا تیرے سوا لوح و قلم سے پہلے

گھر تو پہلے بھی تھا پر لائق سجدہ ہی نہ تھا
پیکر کعبہ تھا بےجاں ترے دم سے پہلے

دشمن جاں کو دعا دے جو وہ انساں لاؤ
بخش دیتا ہو جو ظالم کو ستم سے پہلے

خلد کو تو نہ پہونچ سکتے نہ اہل ایماں
منزلیں گم تھیں ترے نقش قدم سے پہلے

طاعت حق سے یہ غفلت نہیں اچھی اے امیر
ہوش میں آ سفر ملک عدم سے پہلے

تربیت گاہ نفس انسانی

محمد عیسیٰ قادری رضوی

ناندیڑ ، مہاراشٹر

نفس انسانی کی تربیت اگرچہ کچھ بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہے، لیکن اس قدر آسان بھی نہیں کہ آپ جب اور جس وقت چاہیں اپنے آپ کو یا کسی دوسرے شخص کو مطمئن، جفاکش، خداترس اور ہمدرد بنا دیں۔ اس کام کے لئے بڑی مہارت اور مسلسل جد وجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اس سعی و محنت کے بعد جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر حسب مرام ہوتے ہیں۔ اگر تربیت کے دوران شدید اور اصولی قسم کی غلطیاں نہ ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کامیاب نہ ہوں ـــــ ہر بچہ اچھا اور صحیح فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کی ابتدائی زندگی میں مختلف اثرات سے اس کے عقائد، عادات اور اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ ایک خاص قسم کا شخص بن کر تیار ہوتا ہے۔ عقائد، خیالات اور عادات میں سے بعض کو وہ بری طرح ناپسند کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی آئندہ ساری عمر میں وہ ان سے اپنی گلو خلاصی کرانے پر قادر نہیں ہوتا، کیوں؟ اس لئے کہ وہ خود اپنے آپ کو تربیت دینے کی باقاعدہ سعی نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا۔ ورنہ بالکل اسی طرح جیسے ایک کم عمر بچے میں صحیح تربیت کے ذریعے جرأت، دلیری، ہمدردی، سچائی اور دوسری خوبیاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ ایک چالیس سالہ بلکہ پچاس سالہ بوڑھے میں بھی یہ تمام خوبیاں اچھے ماحول اور صحیح تربیت کے ذریعہ پیدا کی جا سکتی ہیں بلکہ پیدا کی جاتی ہیں۔ صوفیائے کرام نے نفس انسانی کی تعلیم و تربیت کے لئے اچھے کردار ادا کئے ہیں اور ان کی خانقاہی زندگیاں بھی مخلوق خدا کے لئے موثر اور کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ لیکن آج ہماری خانقاہی زندگی جو حالیہ زمانوں میں کاہلی اور خود بینی اور خود فریبی کے لئے بدنام ہو گئی ہے۔ جب کہ ایک زمانہ میں نفس انسانی کے لئے بہترین ذریعہ تربیت ثابت ہوتی رہی ہے یہ افسانہ اور کہانی نہیں بلکہ واقعات اور سچے واقعات ہیں کہ بعض بزرگوں کے فیض صحبت سے بگڑے ہوئے لوگوں کی کایا پلٹ ہو گئی ہے۔

تیسری صدی ہجری میں جب اہل علم و بصیرت نے دیکھا کہ تمام ذرائع دولت اور مقامات عزت پر اہل ہوا و ہوس نے قبضہ کر لیا ہے اور سونے چاندی کی چمک نے آنکھوں کو اس طرح خیرہ کر دیا ہے کہ کسی برتر مقصد کے لئے جان و مال کی قربانی یا عیش و راحت کو تیاگ دینا آسان کام نہیں رہا ہے تو انھوں نے اس صورت حال پر غور کیا اور درد دل کے ساتھ غور کیا انھیں نظر آیا کہ باپ اپنے بیٹوں کو دولت کمانے اور عیش کرنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔ مکاتب میں اساتذہ اپنے شاگردوں کو دفاتر حکومت کیلئے اور خلفائے بنی عباس کی خدمت کے لئے تیار کر رہے ہیں غرض یہ کہ مسلمانوں میں نماز و روزہ کے پابند انسانوں میں حکمت کلیمی کے بجائے حکمت فرعونی کا دور دورہ ہے اور بقول ڈاکٹر اقبال:۔

شیخ ملت با حدیث دلنشیں ۔۔۔ بر مراد او کند تجدید دیں

مکتب از تدبیر او گیرد نظام ۔۔۔ تا بہ کام خواجہ اندیشہ غلام

اسوقت چند دانشمند اور خداترس بزرگوں نے ایک تحریک شروع کی یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالمگیر برادری کا پیغام لیکر اور رحمۃ للعالمین بن کر آئے اور اس حکومت کا جو حضور کے متبعین نے قائم کی تھی یہ ہرگز مقصد نہ تھا کہ انسان، حریص، عیش کوش اور لذت چشم و گوش کا ایسا شدید دیوانہ ہو کر رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ جب سارے اقتدار پر ایسے ہی لوگوں کا قبضہ ہو جو تحریک اسلام کے اغراض و مقاصد سے بے خبر ہوں اور نہیں چاہتے ہوں کہ اس تحریک کے ذریعہ ان کی عیش و

عشرت اور آرام و عافیت کی زندگی میں کوئی انقلاب آئے تو ان بزرگوں کے لئے اس کے سوا کوئی اور راہ نہ تھی کہ وہ اپنی تحریک کو خفیہ رکھتے اور صرف انھیں لوگوں پر ظاہر کرتے جن کی پوری طرح تربیت کر چکنے کے بعد ان سے اقرار وفاداری (بیعت) لے لیا جاتا۔ چنانچہ یہی طریقہ رائج کیا گیا اور آج تک یہ طریقہ حضرات صوفیاء میں رائج ہے کہ بعض اسرار تصوف بیعت سے پہلے طالب پر ظاہر نہیں کئے جاتے۔ اگرچہ اب یہ سب محض رسمی صورتیں رہ گئی ہیں اور اصل تحریک مدت سے مردہ ہے۔ لیکن رسماً و رواجاً اب بھی بہت سی باتیں ان سے میں دکھائی دیتی ہیں

خانقاہی نظام کی تربیت جس طرح نظام دنیا کے ارتقاء و بقاء کے لئے مختلف قسم کے عہدیداران ہوتے ہیں اسی طرح نظام دین کے فروغ و ترقی کے لئے بھی کچھ عہدیداران و افسران ہیں جن کے ذریعہ نظام کائنات کی بقاء ہے۔ وہ یہ چند ہیں:۔

۱۔ **شیخ** کسی تربیت گاہ کا افسر اعلیٰ۔ اس کے ذمے یہ فرائض ہیں کہ وہ افراد کی تعلیم و تربیت کرے اور ان میں اعلیٰ کردار اعلیٰ اخلاق اور جفاکشی و خود شکنی کی عادت پیدا کرے تاکہ کسی صالح نظام کے چلانے کے لئے جب ان کی ضرورت ہو تو یہ کام آسکیں۔ کہیں کہیں یہ شیوخ دُعاۃ بھی مقرر کرتے تھے تاکہ وہ لوگوں کو تربیت حاصل کرنے کی طرف راغب کریں۔

۲۔ **اوتاد** — سب ڈیویزنل افسران۔ اس کے ماتحت چند شیوخ ہوتے ہیں اور یہ ان سب کی تربیت گاہوں کی نگرانی کرتا ہے۔

۳۔ **اعماد** — ضلع کے افسران۔ ۴۔ **اقطاب** — چند اضلاع یا صوبہ جات کے افسران۔ ۵۔ **ابدال** — یعنی انسپکٹرس۔ ان بزرگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اکثر اوقات سفر میں رہیں اور اپنے اپنے مقررہ حلقوں سے تربیت گاہوں کے حالات کا معائنہ کر کے ان کے متعلق اپنی رپورٹیں اور معلومات اقطاب کو اور بوقت ضرورت فرد کو بھیجا کریں۔

۶۔ **فرد** — پوری تحریک کو چلانے والا شخص۔ اور تمام عہدیداران خانقاہ کا افسر اعلیٰ شیوخ، اوتاد، اعماد، اقطاب، اور ابدال سب کا تقرر فرد کیا کرتا ہے۔

۷۔ **غوث** — وہ شخص جو خانقاہ اور اس کے عہدیداران کے مابین پیدا ہونے والے مقدمات کے فیصلے کرتا ہے گویا نظام عدالت کا افسر اعلیٰ یا چیف جسٹس۔ اگرچہ کسی غوث کا تقرر فرد کا اختیاری امر ہے لیکن فرد بھی خود اس کے عدالتی احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ہے اور چونکہ یہ لوگ تربیت کی بڑی کٹھن اور دشوار منزلوں سے گذر کر اتنے ذمہ دارانہ عہدوں پر سرفراز ہوتے ہیں، اس لئے ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا جس میں غوث اور فرد کے مابین اختلاف آراء نے کوئی نازک صورت اختیار کر لی ہو۔

اس عظیم الشان تحریک کا مقصد یہ ہے کہ افراد انسانی کی صحیح تربیت کر کے انھیں اتنا بلند نظر بنا دیا جائے کہ وہ انفرادی منافع اور مفادات کو جماعتی اور خالص انسانی منافع و مفادات کے مقابلے میں آسانی اور خوشی کے ساتھ قربان کر سکیں۔ افراد کی تربیت سے ایک صالح اور بہتر معاشرہ پیدا ہو جائے گا جس میں طاقت پیدا ہو جائے گی کہ کسی وقت وسعت و تنظیم کے بعد حکومت و اقتدار کو نااہل، عیش کوش اور کم نظر افراد سے چھین لے۔ اس طرح یہ دینی و سیاسی تحریک ہوگی جو مدتوں چلتی رہے گی۔ شاید آپ یہ خیال کریں کہ ادوار ماضیہ میں یہ تحریک ناکام رہی، ہاں یہ صحیح ہے کہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی، لیکن یہ واقعہ اور نفس الامری بات ہے کہ بالکلیہ ناکام بھی نہیں، تیسری صدی اور اس کے بعد سے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں ہمیں ایک کش مکش دیتی ہے دربار اور خانقاہ کے مابین ایک شدید قسم کی کش مکش ہر جگہ نمایاں ہے یہ کش مکش ارباب اقتدار کو اعتدال و میانہ روی پر قائم رکھنے میں بڑی ممد و معاون ثابت ہوئی ہے۔

جہاں کہیں ارباب اقتدار نے خانقاہوں کو دبانے میں کامیابی حاصل کر لی وہاں آپ کو درباری سر اور شاہی درویش قسم کے
لوگ دکھائی دیتے ہیں اور جہاں اہل خانقاہ نے اہل دربار کو دبا لیا وہاں ناصر الدین قباچہ، محی الدین عالمگیرؒ کی الدین التمش نظر آنے پر

باقی ساری مدت کش مکش میں بسر ہوتی رہی، کبھی محی الدین سید عبد القادر جیلانی دربار بغداد سے برسرپیکار اور کبھی شیخ ولی الدین سے اسکندرانی دربار مصر سے الجھے ہوئے۔

کسی بھی خانقاہ میں تربیت کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا تھا اسے اگر خالص فنی نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اپنے وقت کا بڑا ہی ماہر نفس اور کامل و اکمل شخص ہوتا تھا جو اپنے شاگردوں کی تربیت سے پہلے عمیق غور و فکر کے ساتھ ان کے نفسی امراض کی تشخیص کرتا تھا۔ اس کے ان امراض کی طرف متوجہ ہوتا اور ہمہ وقت مریض پر نگرانی رکھتا، پھر جب اس شخص سے امراض نفسی کا ازالہ ہو جاتا تو غور سے اُسے دیکھتا اور معائنہ کرتا تاکہ وہ کوئی عظیم ذمہ داری قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے یا نہیں، اگر وہ اس قابل پایا جاتا ہے کہ کسی بڑے اور عظیم مقصد کیلئے اس کی تربیت کی جائے تو تربیت کرتا ورنہ اسے کوئی معمولی سا غیر اہم کام مثلاً اہل خانقاہ کی خدمت، لنگر خانے کا انتظام و انصرام، درس و تدریس وغیرہ سپرد کر دیا جاتا۔ ایک شخص ان سارے مراحل تربیت یعنی تشخیص، معالجہ، تربیت، تصفیہ وغیرہ میں جہاں کہیں ضروری سمجھتا اپنے بالادست افسروں کی امداد طلب کرتا، کبھی اوتاد، اعماد، اقطاب سے اور کبھی ان سے بھی بالا افسروں سے امداد طلب کرتا، بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص اپنے مرید کو مزید اعلیٰ تربیت کیلئے اقطاب یا افراد کی خدمت میں روانہ کر دیتا۔ آپ کو تذکروں میں ہزاروں ہی واقعات اس قسم کے مل جائیں گے کہ کسی شخص نے تربیت یا معالجہ کی ایک خاص منزل پر مرید کو اپنی خانقاہ سے کسی دوسرے بزرگ کی خانقاہ کو بھیجدیا۔ بعض مرتبہ اہم انسانی خدمات کیلئے خانقاہوں سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن اس پروگرام کا مقرر کرنا غالباً فرد کے علاوہ کسی دوسرے کے اختیار میں نہ ہوتا تھا، اور جب فرد کوئی ایسا فیصلہ کر دیتا تو اس کے متعلق تمام اقطاب، اوتاد، اعماد و ابدال کو دیتے جاتے اور کسی کے بموجب عمل ہوتا، چنانچہ تاریخ میں جس طرح آیا ہے کہ شہاب الدین محمد غوری کی امداد کے لئے بھی ایسے ہی احکام دیئے گئے تھے۔ حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس خاص مقصد کے لئے دیار ہند کی قطبیت اور افیسران اسپیشل ڈیوٹی کی حیثیت دی گئی تھی اور ان کو اس سلسلے میں آخری اختیارات حاصل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شہاب الدین غوری براہ سندھ اجمیر کی طرف روانہ ہوا تو راستہ کی ہر خانقاہ سے مجاہدین مع اسلحہ و رسد کے اس کے ساتھ ہوتے گئے، اور میدانِ جنگ میں غوری کے لشکریوں کی تعداد اس تعداد سے کئی گنا زیادہ دکھائی دیتی ہے جو ابتداءً تخت گاہ سے روانگی کے وقت اس کے ساتھ تھی۔

طریقۂ تربیت آج سے پہلے خانقاہوں میں تربیت کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص تربیت کی غرض سے خانقاہ میں داخل ہوتا تھا تو اُسے ابتداءً خانقاہ کے مہمان خانۂ عام میں رکھا جاتا تھا، یہاں کا ماحول، تہذیب، خدا ترسی، دینداری سے وہ آہستہ آہستہ اثر پذیر ہوتا، اس اثناء میں شیخ اس شخص کا مطالعہ کرتا رہتا اور چونکہ انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے متاثر ہوتا ہے اس لئے طالب پر جو اثرات اس ماحول سے اور خصوصاً شیخ کی صحبت و شخصیت سے مرتب ہوتے، اس کا عمیق مطالعہ کیا جاتا اس کے بعد خود طالب میں آگے کچھ معلوم کرنے اور سیکھنے کی تمنا کو بیدار کیا جاتا اس کی طلب پر بار بار ٹال دیا جاتا تاکہ طالب میں شوق تمنا قوی سے قوی تر ہو جائے۔ اس کے بعد اس کے دو جذبات کی اصلاح کی جاتی۔ ایک جذبۂ خوف اور دوسرا جذبۂ محبت۔ انسان کے نفسی اعمال میں خوف کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ سارے جذبات اس کے مقابلے میں دب جاتے ہیں۔ اس خوف کی زیادتی انسان کو وہمی، بزدل، پست ہمت اور کاہل بنا دیتی ہے اور اس کی کمی سنگدل، بے رحم، درندہ، لاابالی اور ناکارہ کر دیتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے شیخ اپنے طالب کے قلب سے ماسوا اللہ کا خوف (یعنی وہ خوف جو مضر ہے) نکالتا اور اس احتیاط کے ساتھ نکالتا کہ خدا کا خوف اور خدا سے محبت توازن کے ساتھ اس کے قلب و روح میں جاگزیں ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر خوف بالکلیہ ختم ہو جائے تو انسان ایسا درندہ اور اس قدر بے رحم ہو جائے گا کہ کسی کام کا نہ رہ سکے گا۔

یہ بڑا مشکل کام ہوتا جب کوئی شخص خانقاہ میں داخل ہوتا تو اس کا قلب مختلف قسم کے خوف سے دبا ہوتا۔ کہیں بادشاہ کا خوف، کہیں دولت و عظمت

کا خوف، کہیں اپنی عزت و شان کے ضیاع کا خوف اور کہیں بیوی بچوں کی ناراضگی کا خوف وغیرہ وغیرہ۔ اب شیخ کے لئے کس قدر مشکل کام ہوتا کہ اسے خدا کے سوا باقی سب سے بے نیاز بنا دے اور اس لئے آہستہ پیر رکھتا ہے کہ قریب میں سویا ہوا شیر نہ جاگ اُٹھے۔ دوسری جگہ پر وہی شخص اس لئے آہستہ چلتا ہے کہ بیمار باپ کی نیند نہ خراب ہو۔

ایک علیم وخبیر خدا، ایک سمیع وبصیر مالک کا ایسا یقین پیدا کر دینا کہ آدمی اس کی محبت کی وجہ سے اس کی ناراضی سے خوف کھا رہا ہو، کتنا مشکل کام ہے لیکن شیوخ خود اپنی ذات کو نمونہ بنا کر پیش کرتے اور رحمت و رافت کے ساتھ طالب کی تعلیم و تربیت کرتے یہاں تک کہ اسیں یہ کیفیت و حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کو اصطلاح خانقاہ میں "سیر الی اللہ" کہتے ہیں۔ اس کیفیت کی شدت اگر صحیح طور پر تربیت نہ ہو تو آدمی کو ناکارہ بھی بنا دیتی ہے۔ اس لئے شیخ اُسے سنبھالتا، اور اس کے جذبات محبت کو اعتدال میں رکھتا، اس مقام پر انسان کو جان و مال کے ضیاع کا خوف کسی برتر مقصد کے لئے عمل کرنے سے نہیں روک سکتا، اور ایک ایسا شخص تربیت پا کر تیار ہو جاتا جس کا وجود تمدن کے لئے رحمت ثابت ہو سکے۔ اب اس کے بعد اس سے باقاعدہ اقرار وفاداری (بیعت) لیا جاتا۔ سوال ہوتا کس سے وفاداری؛ جواب تھا، اللہ سے وفاداری، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری، اس مقصد سے وفاداری جو شجرۂ بیعت رضوان کے نیچے بیعت لیتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا اور سب جانتے ہیں کہ بیعت رضوان بیعت ایمان نہ تھی، بیعت ایقان نہ تھی بلکہ بیعت جہاد اور مرمٹنے کی بیعت تھی۔ اور اس بات کو ثابت کرنے کیلئے شیخ براہِ راست نیابت رسول کے فرائض انجام دے رہا ہے، اسے ایک شجرۂ شیوخ دیا جاتا جس میں شیخ اپنے سلسلہ کی کڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دیتا تاکہ مرید کے قلب میں شیخ کے مستند معلم یا افسر تربیت گاہ ہونے کا یقین ہو جائے۔

خانقاہوں میں بیعت و تربیت کے بعد بھی مدتوں بلکہ بعضوں کو ساری عمر قطب، اوتاد، فرد وغیرہ کے ناموں کی خبر نہ ہوتی۔ البتہ غوث کے نام کی اطلاع دے دی جاتی تاکہ وہ مساوی حقوق عدالت سے بہرہ اندوز ہو سکے۔

بعض ایسے لوگوں نے جن کے مقاصد اعلیٰ نہ تھے اس طریقہ تنظیم کی نقل کر کے اپنی اپنی جماعتیں بنا لیں اور بڑے بڑے فتنے پیدا کر دیئے لیکن چونکہ اس کا مقصد طلب جاہ اور اقتدار پرستی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے فوراً ہی ان کی تنظیم ایک خونی اور جبروتی حکومت بن گئی، جو مختصر اور محدود بھی تھی اور نامسعود و نامقبول بھی۔

اس کے برخلاف اصل خانقاہی تنظیم شاخ در شاخ ہو کر منتشر ہو جانے کے بعد مدتوں اسلامی نظریہ حیات کے پھیلانے میں امید سے بہت ہی کم سہی لیکن کسی نہ کسی قدر کارآمد ثابت ہوتی رہی، تاآنکہ اہل خانقاہ خود ان ہی امراض کے شکار نہ ہو گئے جن کے ازالہ کے لئے یہ تحریک شروع کی گئی تھی۔

نفس انسانی کی تعلیم و تربیت کے لئے اگر وہی اصول و ضابطہ اپنائے جائیں جو ادوار ماضیہ میں کارفرما رہے ہیں تو آج بھی ہماری خانقاہوں اور تربیت گاہوں سے جنید و بایزید اور شبلی جیسے افراد پیدا ہو سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۶۷ کا)

راج محل نے شائع کیا ہے۔ اہل خیر سے گذارش ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ کاپیاں منگا کر لوگوں میں تقسیم کریں۔ خاص کر ان لوگوں کو دیں جو مخالفین کے غلط پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر امام احمد رضا کی طرف سے اپنے ذہن میں کدورت رکھتے ہیں۔ امید کہ یہ مقالہ ان کے ذہن کی صفائی کے لئے بہت مفید ہوگا۔ صفحات ۳۲۔ سائز متوسط، عکسی طباعت۔ کاغذ عمدہ، قیمت ۳/ روپئے۔

ناشر:- مولانا ذاکر حسین مصباحی اشرفی سکریٹری دعوتِ اسلامی، راج محل، پوسٹ نرائن پور، ضلع صاحب گنج ۸۱۶۱۰۸ (بہار)

بے پردگی کی تباہ کاریاں

محمد اسلم اشرفی، بھیونڈی

اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک کامل ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے۔ خواتین کے تعلق سے جو احکام دیئے ہیں ان میں پردہ بھی ایک اہم حکم ہے جس کا اعلان قرآن کریم یوں کرتا ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى (الاحزاب ۳۳ ع)

ترجمہ:۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی (کنز الایمان)

واقعی آج ہماری اسلامی ماؤں اور بہنوں میں پردہ اٹھتا چلا جا رہا ہے۔ گلی کوچوں میں، اسکولوں کالجوں میں ہماری اسلامی بہنیں بے پردہ نظر آتی ہیں کسی کے دل میں بھی اس کا خیال نہیں رہ گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری اسلامی خواتین کو پردہ داری کا حکم دیا ہے جو کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ ہماری اسلامی خواتین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے جنازہ کو بھی اندھیرے میں لے جانے کی وصیت کرتی تھیں کہ کہیں بے پردگی نہ ہو جائے۔

میری اسلامی مائیں بہنیں ذیل کے واقعات سے درس حاصل کریں کہ ہماری اسلاف خواتین میں پردے کا کتنا اہتمام تھا۔

ایک خاتون ام خلاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو انھوں نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈالی ہوئی تھی اور وہ اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی تھیں حالانکہ وہ قتل (شہید) ہو چکا تھا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم اس حال میں اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو کہ نقاب ڈالی ہوئی ہو (یہ سن کر) اس پردہ نشین خاتون نے کہا اگر میرا بیٹا جاتا رہا تو کیا ہوا میری حیا تو نہیں گئی۔ (ابوداؤد جلد اول ص ۳۳۶)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی تو لوگوں نے بہت دعائیں کیں مگر بارش نہ ہوئی پھر حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے اپنی والدہ محترمہ کے پاکیزہ دامن کا ایک دھاگہ اپنے ہاتھ میں لے کر بارگاہ الٰہی میں عرض کی یا اللہ! یہ اس خاتون کے دامن کا دھاگہ ہے جس پر کبھی کسی نامحرم کی نظر نہ پڑی (شیخ صاحب کی والدہ ہمیشہ پردہ میں رہا کرتی تھیں) اس کے طفیل باران رحمت عطا فرما ابھی شیخ صاحب نے جملہ کہا ہی تھا کہ بارش برسنے لگی۔ (مقام عورت ص ۳۷-۳۸)

میری اسلامی مائیں بہنیں ان واقعات سے درس حاصل کریں کہ ہماری اسلاف خواتین میں پردہ کی کتنی اہمیت تھی اب آئیں بے پردگی کی تباہ کاریوں کا نظارہ ذیل کے واقعات سے کریں ان واقعات کو بار بار پڑھیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں بے پردگی اور جملہ برائیوں سے توبہ کریں۔

•

امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس قادری فرماتے ہیں غالباً شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ کا آخری جمعہ تھا رات کو میں کورنگی (کراچی) کے ایک میدان میں منعقد "دعوت اسلامی" کے ایک بہت بڑے اجتماع میں بیان کر رہا تھا۔ اس اجتماع میں ایک نوجوان جس پر خوف طاری تھا وہ بھی شریک تھا۔ اس نے حلفیہ بیان دیا کہ میرے ایک عزیز کی جوان بیٹی اچانک فوت ہو گئی تدفین سے فارغ ہو کر لوٹے تو اس کے والد کو یاد آیا کہ میرا ایک ہینڈ بیگ جس میں بے حد اہم کاغذات تھے وہ قبر ہی میں لڑکی کے ساتھ دفن ہو گیا ہے لہٰذا ہم نے بڑے سوچ بچار کے بعد کاغذات حاصل کرنے کے لئے دوبارہ قبر کھود دی ابھی ہم نے قبر کو تھوڑا ہی کھولا تھا کہ خوف کے مارے ہماری چیخیں نکل گئیں کیونکہ وہ دوشیزہ جسے ہم نے ابھی چار گھنٹہ پہلے ٹھیک ٹھاک ستھرے کفن میں لپیٹ کر دفن کیا تھا وہ کفن پھاڑ کر اٹھ بیٹھی تھی اور وہ بھی کمان کی طرح ٹیڑھی، آہ! اس کے سر کے بالوں سے اس کی ٹانگوں کو باندھ دیا گیا تھا اور کئی چھوٹے چھوٹے خوفناک جانور اس کو لپٹے ہوئے ہیں۔ یہ دہشت ناک

منظر دیکھ کر ہماری گھگی بندھ گئی اور کاغذات کا ہینڈ بیگ بھی نکالنے کی جرأت نہ ہوئی بس جوں توں مٹی ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے گھر آکر میں نے اپنے عزیزوں سے دریافت کیا کہ آخر اس نوجوان لڑکی کا ایسا کیا جرم تھا؟ تو مجھے بتایا گیا کہ اور تو کوئی خاص جرم نہیں تھا بس یہی کہ یہ بھی عام لڑکیوں کی طرح بے پردگی کرتی تھی۔ ابھی انتقال سے چند روز پہلے رشتے داروں میں شادی تھی تو اس نے فیشن کے بال کٹوائے تھے اور بن سنور کر شادی میں شریک ہوئی تھی۔

آہ! بدنصیب فیشن پرست لڑکی کی عبرتناک داستان کس قدر عبرتناک ہے کیا ہماری اسلامی بہنیں اس سے درس عبرت حاصل نہیں کریں گی؟ کیا فیشن پرستی اور بے پردگی سے باز نہیں آئیں گی؟ اپنی کمزوری اور ناتوانی پر ترس کھاؤ اور اپنے کمزور بدن کو عذاب قبر و جہنم سے بچانے کی فکر کرو۔ (بے پردگی کی ہولناک سزائیں۔ از محمد الیاس قادری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی کتاب "الاسراء المعراج" میں لکھتے ہیں جب معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں سے لٹکتی ہوئی عورتیں دیکھیں جن کے دماغ اُبلتی ہوئی ہانڈی کی طرح اُبل رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السّلام سے پوچھا یہ کون ہیں تو انھوں نے کہا یہ بے پردہ عورتیں ہیں جو غیروں کو اپنے بالوں کی نمائش کراتی تھیں۔

یا اللہ عزوجل ہماری اسلامی ماؤں اور بہنوں کو پردہ کرنے کی توفیق عطا فرما اور اپنے فضل و کرم سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہم سب سے راضی ہوجا۔ آمین۔

آہ! مولانا کاظم علی بستوی

استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے تلمیذ رشید شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد کاظم علی صاحب بستوی مورخہ ۱۶؍ دسمبر بروز پیر بعد نماز مغرب ہم سے جدا ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ وحشت افزا خبر جونہی بمبئی میں پھیلی علما کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ پورا ماحول سوگوار ہو گیا حضرت کیا گئے علما کی صف اوّل ٹوٹ گئی۔ سنی دار العلوم محمدیہ بمبئی ۳ میں ۱۸؍ دسمبر ۱۹۹۱ء صبح قرآن خوانی و ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا حضرت اشرف العلماء سید حامد اشرف صاحب قبلہ مدظلہ العالی و دیگر اساتذہ دار العلوم نے اپنے شدید غم و دکھ کا اظہار کیا۔ اور حضرت کی رحلت کا عظیم نقصان قرار دیا حضرت کی مغفرت و ترقی درجات کے لئے دعائیں کیں۔

۱۷؍ دسمبر تقریباً گیارہ بجے دن میں ناریل واڑی قبرستان بمبئی میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ وصیت کے مطابق حضور اشرف العلما نے پڑھائی۔ جنازہ میں کثیر تعداد میں علماء کرام، ائمہ مساجد و مشائخ عظام اور بمبئی کی دینی درسگاہوں کے اساتذہ موجود تھے۔

حضرت مرحوم کا شمار حضور حافظ ملت کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہوتا تھا ضلع بستی یوپی کے علماء میں آپ کو منفرد مقام حاصل تھا۔ ملک کے مختلف دینی درسگاہوں میں بحیثیت شیخ الحدیث تقریباً ۴۰ سال خدمت دین کرتے رہے۔

مولائے قدیر و غفار حضرت مرحوم کو اپنے جوار قدس میں جگہ مرحمت فرمائے اور ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

محمد شفیق الرحمٰن عزیزی
خادم التدریس سنی دار العلوم محمدیہ بمبئی ۳

سوویت یونین میں کمیونزم و سوشلزم کا زوال

سعید جیلانی، کانپور

۱۹۱۷ء میں لال جھنڈے کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح روس میں برسرِ اقتدار آنیوالی کمیونسٹ پارٹی کا گویا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹ گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن سوویت یونین جس نے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کا قتل عام کیا، علمائے کرام سے خود قبریں کھدوائیں اور پھر اس میں اترنے کو کہا اور جب علمائے کرام اس میں اتر گئے تو گولی مار دی گئی اس کے بعد چونے کی بوریاں پلٹ کر مٹی ڈال دی گئی۔ اس طرح کمیونسٹوں نے اپنی اسلام دشمنی، مسلمان دشمنی کے شرمناک، ہولناک اور دردناک مظاہرے کئے۔ بے قصور مسلمانوں کی آہیں رنگ لائیں اور ۷۴، سال بعد روس میں انقلاب آگیا۔

انقلاب کبھی چیختا چنگھاڑتا آتا ہے اور کبھی دبے پاؤں آتا ہے، خداوند قدوس کی قدرت کا کیسا عظیم نمونہ ہے کہ دنیا کی سُپر پاور طاقت بغیر کسی بیرونی حملے کے جھتڑے کی طرح بکھر گئی اور گورباچوف کے استعفیٰ کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی کا چراغ بُجھ گیا۔

روس کے آخری حکمراں کے استعفیٰ کے بعد اب ساری طاقت بورس یلتسین کے پاس سمٹ گئی ہے اور ان کے ہاتھ میں وہ بریف کیس آگیا ہے جسمیں ایٹمی ہتھیاروں کو چلانے والا لال بٹن رکھا ہوا ہے۔ دنیا بھر میں سوویت یونین کا نام مٹ گیا اب روسی جھنڈا سفید لال نیلا لہرانے لگا ہے اور لال رنگ کا ہتھوڑے والا نشان ناپید ہو گیا ہے۔

۷۴، سال قبل ۱۹۱۷ء میں حکومت کمیونسٹوں نے سنبھالی اور مسلمانوں پر مصائب و آلام کا ایک ظالمانہ دور شروع ہوا تھا۔ مسجدوں میں تالے پڑ چکے تھے، اذانیں بند ہو گئیں تھیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح خاموشی کے ساتھ ایسی ظالم حکومت مٹ جائے گی لیکن اگر امید تھی تو مسلمانوں کے دلوں میں تھی وہ جانتے تھے کہ خداوند عالم جب چاہے گا حالات بدلیں گے، انقلاب آئے گا۔ تاریکی کے بعد اُجالا۔ رات کے بعد صبح کی کرن قانون قدرت ہے اسی کا انتظار تھا اور شکر ہے اس مالک بے نیاز کا کہ مبارک صبح طلوع ہو گئی۔ مساجد کے دروازے کھل چکے ہیں۔ روس کے چپے چپے پر پھر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائے دلنواز بلند ہو رہی ہے۔ مدارس اسلامیہ کا قیام ہو رہا ہے اور بچے بچیاں خدائے لاشریک کے بھیجے ہوئے اور پسندیدہ دین اسلام کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں

مسلم ریاستوں پر فضل خداوندی

مالک بے نیاز کا کتنا بڑا فضل ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا شیرازہ بکھرا تو عالم اسلام ایک نئی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے پردے پر نمودار ہوا ہے۔ مسلم ریاستوں کے پاس ان کے حصہ میں کافی ایٹمی ہتھیاروں کا ذخیرہ ہاتھ لگا ہے۔ بلاشبہ یہ فضل خداوندی ہے۔ اخبارات میں کچھ تفصیلات بھی شائع ہوئی ہیں روس اور مسلم ریاستوں کی پوری رپورٹ اس طرح ہے۔

روس ... ۱۹ ہزار — یوکرین ... ۴۰ ہزار — مسلم قزاقستان ایک ہزار آٹھ سو — بائیلوروس ۱۲۵۰ —
لیتھوانیہ ۳۲۵ — جارجیہ ۳۲۰ — آذربائیجان مسلم ۳۰۰ — اسطونیہ ۲۷۰ — آرمینیا ۲۰۰ — طاطویہ ۱۸۵ — ترکمانیہ مسلم ۱۲۵
ازبکستان مسلم ۱۰۵ — مولداویہ ۹۰ — تاجکستان مسلم ۷۵ — کرغیزیہ مسلم ۷۵

امریکہ کی نیند حرام! مسلمان ریاستوں کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی فہرست سے یقیناً امریکہ کی حالت خراب ہو رہی ہو گی

اور وہ اب مسلمان ریاستوں کے خلاف ہر قسم کی تباہ کاری کے پلان تیار کرے گا۔ عراق کو صرف شبہ کی بنیاد پر تباہ کیا گیا کہ کہیں صدام حسین ایٹم بم نہ بنا لیں، لاکھوں ٹن گولہ بارود گرانے کے بعد بھی امریکہ اسلامی ملک عراق کی ایک انچ زمین بھی الگ نہ کر سکا اور ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ فضل خداوندی سے دنیا کی تاریخ بدلی اور عالم اسلام میں ایک نئی بہار آگئی ہے۔

قزاقستان

یہ مسلم ریاست ہے اور اس کے موجودہ صدر نور سلطان ہیں ان کے پاس ۱۸۰۰ سو ایٹمی ہتھیار ہیں اور انھوں نے کھل کر امریکہ کے وزیر خارجہ بیکر سے کہہ دیا کہ یہ ہتھیار ہم اپنے پاس سنبھال کر رکھیں گے۔ روس کی آزاد شدہ مسلم ریاستیں اگر آپس میں متحد ہو گئیں تو دنیا کے پردے پر ایک نئی اسلامی طاقت کا سورج طلوع ہوگا۔ کاش ایسا ہو جاتا اور ہماری دلی تمنا تو یہ ہے کہ جناب نور سلطان صدر قزاقستان بیت المقدس کو آزاد کرانے کیلئے بڑھیں اور صدر صدام حسین سے ہاتھ ملا کر اسلام کی عظمتوں کا پرچم اس سرزمین پر لہرا دیں جو زمانہ ماضی میں انبیاء کرام کا مسکن رہی ہے۔

لمبی مار کرنے والے ہتھیار

بتایا جاتا ہے کہ لمبی دوری تک مار کرنے والے ایٹمی ہتھیار چار ملکوں کے پاس ہیں۔ روس، یوکرین، بائلو روس، قزاقستان۔ غالباً اسی لئے چارج لیتے ہی روس کے صدر یلتسین نے کہا ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کیلئے لال بٹن یوکرین، بائلو روس اور قزاقستان کی منظوری سے ہی دبائیں گے۔ بہرحال اب مغربی طاقتیں نئی ابھرنے والی مسلم ریاستوں کو لڑانے اور خود چودھری بن کر آدھمکنے کا پلان تیار کریں گے جس طرح انھوں نے خلیج میں کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلم ریاستوں کے سربراہ ہوش و گوش سے کام لیں اور ایک جان دو قالب کے مثل بن کر اسلام کی عظمتوں کو اجاگر کریں۔

(بقیہ صفحہ ۶۵ کا)

مسلم ممالک سے مخلصانہ اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنی غفلت سے بیدار ہو کر اس اسلامی اتحاد میں شامل ہو جائیں۔

۷۔ اسرائیل نے اپنے فوجی حملوں سے فلسطین، اردن، شام وغیرہ کے جن علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے اس کے خلاف اقوام متحدہ میں تقریباً (۸۰) تجاویز پاس ہوئیں لیکن اس کی کھلی ہوئی جارحیت کیخلاف کسی بھی تجویز پر پانچ مستقل ممبران (جنھیں ویٹو پاور حاصل ہے) کبھی متفق نہیں ہوئے مگر عراق نے اپنے سابقہ حصے کویت کو جوں ہی اپنی حکومت میں شامل کیا اسلام دشمنی میں سارے مستقل ممبران فوراً متحد ہو گئے۔ لہذا اسلامی کونسل کے مستقل ممبران کی مستقل ممبری ختم کر کے انھیں بھی دیگر ممالک کی طرح ایک عام ممبر بنایا جائے تاکہ غریب اور ترقی پذیر ممالک کو بھی انصاف مل سکے یا سلامتی کونسل جو صرف پندرہ ممالک پر مشتمل ہے اسے توڑ دیا جائے اور صرف جنرل اسمبلی کی کثرت رائے سے کئے ہوئے فیصلے کو طاقت کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

۸۔ تمام عبادت گاہوں کی وہ حیثیت جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو تھی جس کے تعلق سے پارلیمنٹ میں جو بل منظور ہوا ہے وہ حکومت ہند کا قابل تحسین قدم ہے اس کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ منظور شدہ مذکورہ بل کو موثر بنانے کیلئے پنجاب، ہریانہ، دلی اور دیگر شہروں میں جو مسجدیں تھیں ان کو پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کی شکل میں بحال کر کے انھیں مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔

۹۔ منظور شدہ عبادت گاہ بل سے بابری مسجد کو مستثنیٰ کرنا اور عدالتوں اور باہمی سمجھوتوں کے ذریعے مسئلے کا حل ڈھونڈنا اسلامی شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مسلم پرسنل لا بورڈ جماعت اسلامی جو بزعم خویش اپنے آپ کو ٹھیکیدار شریعت کہتی ہیں انھوں نے بھی اب تک ہماری سیکولر حکومت کو مسجد کے تعلق سے اصل شرعی احکام بتانے کی زحمت نہیں فرمائی۔ اس لئے سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی نمائندہ تنظیم آل انڈیا تبلیغ سیرت حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ بابری مسجد کے تعلق سے اسلامی اور شرعی حل کیلئے اکابر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائے اور اس کے فیصلے تک بابری مسجد میں پوجا پاٹ پر سختی سے پابندی لگائے اور اسے مندر کہنے اور لکھنے سے روکا

وقت را باشد مبارک تحفۂ دارالقلم

بیسند تسنیم گوہر مصباحی عالمی لغت اکادمی الہ آباد

باعثِ صد فخر ایں منصوبۂ دارالقلم
وقت را باشد مبارک تحفۂ دارالقلم

جرأت مردانہ، عزم پُر ضیا بر تو فدا
مرحبا یٰسٓ ترا منصوبۂ دارالقلم

انقلابِ نو ہویدا کرد تحریکِ جدید
در جہانِ عشق تاباں جلوۂ دارالقلم

تشنگانِ علم و فن را مرکزِ کیف و سرور
جام جم نادم بہ پیشِ کوزۂ دارالقلم

قصرِ شاہی چہ کنم تاج حسیں من چہ کنم
آرزو دارم کہ بینم قبۂ دارالقلم

دافعِ جہل و ستم صد راحتِ قلب و نظر
اے اسیرِ حق بیا در سایۂ دارالقلم

اے خدا تکمیلِ تعمیرِ عمارت زود کن
من کہ بینم عظمتِ مینارۂ دارالقلم

ایں دعا گوہر کند با صدقۂ شاہِ رسل
یا الٰہی خوب تابد زہرۂ دارالقلم

؎ مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم دارالقلم دہلی

مدیر حجاز کا دورۂ مرزاپور

مولانا نظم علی خاں مصباحی صدر مدرس مدرسہ عربیہ مرزاپور یوپی، و مولانا عبدالخالق رضوی مصباحی نائب صدر مدرس مدرسہ عربیہ کی دعوت پر ماہنامہ حجاز جدید کے مدیر اعلیٰ نے ۲۵، ۲۶ دسمبر ۹۱ء کو شہر مرزاپور کا دورہ کیا۔

جناب حاجی جمیل احمد صاحب رضوی سے دارالقلم دہلی کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں خصوصی گفتگو ہوئی۔ جناب محبوب عالم صاحب کلاسک کارپیٹ نے دارالقلم سے متعلق تفصیلات سن کر اپنی خوشی و مسرت کے اظہار کے ساتھ خصوصی تعاون کا وعدہ کیا۔

اس سفر میں ماہنامہ حجاز کی ممبر سازی کا بھی کام ہوا کئی ایک سالانہ اعزازی ممبر بنائے گئے۔ جن حضرات نے بخالہ اعزازی ممبری قبول کی۔ ان کے اسماء یہ ہیں۔

۱۔ حاجی جمیل احمد خاں رضوی۔ ۲۔ ایس ایم، مراد ۳۔ جناب حفیظ اقبال۔ ۴۔ جناب فتح یار خاں۔ ۵۔ حاجی ظہور احمد۔

دارالقلم ادارہ حجاز اپنے ان سبھی مخلصین و معاونین کی صحت و سلامتی اور کاروبار میں برکت کے لئے دعا گو ہے۔

ادارہ حجاز

اکاڈمی، یونیورسٹی، کانفرنس اور پروفیسر کا بیجا استعمال

عبدالنعیم عزیزی

ہماری جماعت یعنی جماعت اہلسنت میں چند انگریزی و سنسکرت یا ہندی کے الفاظ مثلاً یونیورسٹی، کانفرنس، پروفیسر، چترویدی، اور اکیڈمی کا بڑا چلن ہے اور یہ الفاظ معنی و مفہوم سمجھے بغیر بلا تکلف استعمال ہو رہے ہیں۔

ہر جلسہ — کانفرنس، ہر مدرسہ و مکتب — "یونیورسٹی" اور دارالعلوم کا صدر المدرسین یا شیخ الحدیث — پروفیسر اور اردو کتابوں سے دو چار سنسکرت کے اشلوک رٹ کر تقریر میں بول دینے والا مقرر چترویدی بھلے ہی ہندی و سنسکرت سے قطعاً نابلد ہو۔ سال میں دو چار کتابیں ایصال ثواب یا کسی اور مد میں چندہ کی رقم سے چھاپ کر تقسیم کرنے والی انجمن — اکیڈمی!!

چترویدی تو حقیقت میں ہندوؤں میں بھی کوئی نہیں ہے اس لئے کہ خود ان کے مذہبی عقیدے کے مطابق چوتھا وید آکاش ہی پر رہ گیا تھا اور صرف تین ہی وید پاتال پر اترے تھے لہٰذا چاروں ویدوں کا گیانی تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا البتہ تین ویدوں کے گیانی اگر مان بھی لئے جائیں تو ترویدی تو ہو سکتے ہیں چترویدی نہیں۔ تو جب وید والوں کے یہاں چترویدی نہیں ہیں تو ہمارے یہاں یہ چترویدی صاحبان کہاں سے پیدا ہو گئے؟ البتہ برہمنوں میں گوتر کے اعتبار سے چترویدی، ترویدی اور دویدی بہت ملتے ہیں۔

پروفیسر کے معنی یوں تو معلم و استاد کے بھی ہوتے ہیں لیکن ہر معلم و استاذ اور ٹیچر کو پروفیسر نہیں کہہ سکتے۔ یونیورسٹیوں میں بھی ہر استاد پروفیسر نہیں ہوتا بلکہ کچھ لکچرر ہوتے ہیں اور کچھ ریڈر، کبھی کبھی کسی شعبہ کا صدر بھی ریڈر ہی ہوتا ہے پروفیسر نہیں! پروفیسر کسی فن میں مہارت کے ادعائی لقب کو کہتے ہیں اور جب یونیورسٹی کا کوئی استاذ اپنے فن میں ماہرین تعلیم کے بورڈ کے ذریعہ ماہر تسلیم کر لیا جاتا ہے تو اسے پروفیسر کا لقب ملتا ہے اور پھر وہ پروفیسر کہلاتا ہے۔ ویسے آجکل تو انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کالجوں کے لکچرر صاحبان بھی پروفیسر کہلاتے ہیں حتیٰ کہ بہت سے اونچے قسم کے مداری اور جادوگر بھی اپنے آگے پروفیسر لگا لیتے ہیں اور انھیں لوگ پروفیسر کہنے لگتے ہیں۔

پروفیسر لفظ سن کر انسانی ذہن کسی صاحب جبہ و دستار اور متقی و پرہیزگار عالم و فاضل کی طرف منتقل نہ ہو کر کسی سوٹڈ بوٹڈ شخصیت یا پھر کسی سنکی یا جھکی، کھوئے کھوئے، الجھے بالوں والے شخص کی طرف چلا جاتا ہے۔ بہر کیف ایک انسان کسی یونیورسٹی یا دنیوی تعلیم کے ماہر معلم ہی کو پروفیسر سمجھتا ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔ ہمارے مدارس یا جامعات کے اساتذہ الحمد للہ علم و فضل میں کسی بھی جدید دانشکدے یا یونیورسٹی کے پروفیسر سے کمتر نہیں بلکہ برتر ہی ہوتے ہیں اور ان کے لئے علامہ، مولانا، شیخ الحدیث جیسے القاب ہی زیب دیتے ہیں۔ پروفیسر کہہ کر ان کی شخصیت کو مجروح کرنے اور ان کی تنقیص شان کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

یونیورسٹی — اس تعلیمی ادارے کو کہتے ہیں جہاں دنیا میں رائج آرٹس، کامرس اور سائنس سے متعلق تمامی علوم و فنون نہ صرف پڑھائے جاتے ہوں بلکہ ان پر تحقیقی کام بھی کئے جاتے ہوں۔ موجودہ یونیورسٹیوں میں جن کے ساتھ لفظ مسلم جڑا ہوا ہے یا دیگر چند یونیورسٹیوں میں — اسلامک اسٹڈیز اور تھیولوجی (دینیات) کے شعبے بھی ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ رقص و موسیقی، جنسیات اور جادوگری یا آسیبیات وغیرہ کے شعبے بھی قائم ہیں۔ لہٰذا ایسی یونیورسٹیوں کو ہم مدرسہ، دارالعلوم یا دینی جامعہ تو نہیں کہہ سکتے محض اس بنیاد پر کہ یہاں اسلامیات سے متعلق تعلیم دی جاتی ہے یا اس طرح کا کوئی شعبہ قائم ہے۔ اب اگر یونیورسٹی کی تخصیص کر دی جائے مثلاً اگریکلچر یونیورسٹی (زراعتی یونیورسٹی)۔

یا انجینئرنگ یونیورسٹی تو ان یونیورسٹیوں سے مراد وہ یونیورسٹیاں ہوں گی جہاں زراعت یا انجینئرنگ سے متعلق تمام علوم پڑھائے جاتے ہوں اور ان پر ریسرچ کیا جاتا ہو۔

ایسے ہی عربی یونیورسٹی سے مراد وہ یونیورسٹی ہوگی جہاں دینیات اور اسلامیات سے متعلق تمامی علوم و فنون کی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر دی جاتی ہو اور ان علوم و فنون پر تخصص تحقیق بھی کی جاتی ہو البتہ یہاں عربی سے مراد عربی زبان نہیں ہے بلکہ مراد ہے دینی یا اسلامی تعلیم اس لئے کہ ہمارے محاورے میں عربی سے دینی یا اسلامی ہی مراد لئے جاتے ہیں اور اسی لئے جب لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کا بچہ عربی تعلیم حاصل کر رہا ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ وہ دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔
اب اگر ہم یونیورسٹی کے معنیٰ و مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دیکھیں تو برصغیر میں "الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور" کے علاوہ کوئی بھی ادارہ ایسا نہیں جسے یونیورسٹی کہا جا سکے۔ ویسے الجامعۃ الاشرفیہ والوں کی دیانت داری ملاحظہ ہو کہ یہ ادارہ تقریباً عربی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا ہے تاہم یہ لوگ اسے ابھی تک مجوزہ یونیورسٹی ہی لکھتے اور کہتے ہیں اس لئے کہ ابھی کلی طور پر یہ یونیورسٹی میں تبدیل نہیں ہو سکا ہے لیکن دوسری طرف یہ عالم ہے کہ بیشتر حضرات اپنے مدرسہ کو بڑے ہی فخر کے ساتھ یونیورسٹی کہتے اور لکھتے ہیں۔ (ہندوستان میں کوئی ایسا مدرسہ نہیں جسے یونیورسٹی کہا جا سکے۔ اختر مصباحی)

کانفرنس ــــ کے معنیٰ ہوتے ہیں مشاورت یا جلسۂ مشاورت مگر ہمارے یہاں جو ہر روز تقریری پروگرام ہوتے ہیں اور جو مقررین اور خطباء بلائے جاتے ہیں کیا یہ اور سامعین یا منتظمین جلسہ مل کر کسی دینی یا ملی مسئلہ پر مشورے کرتے ہیں یا ہر مقرر اپنی اپنی بولی بول کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

راقم نے چند ویدی، پروفیسر، یونیورسٹی اور کانفرنس پر صرف اسی حد تک کچھ عرض کرنے کی کوشش کی ہے کہ جتنی مختصر انداز میں کی جا سکتی ہے۔ ورنہ ان سب پر علٰحدہ علٰحدہ ایک مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ اب ایک لفظ اور آتا ہے جس کا استعمال ہماری جماعت میں چند برسوں سے بڑی تیزی اختیار کر گیا ہے اور وہ ہے ــــ اکیڈمی

اکیڈمی (اکادمی) کے تحت پروفیسر کلیم الدین احمد ــــ "فرہنگ ادبی اصطلاحات صـ۲ پر اس طرح لکھتے ہیں۔ "ایتھنس کے نزدیک ایک باغ جہاں افلاطون درس دیا کرتا تھا؛ افلاطونی نظام فلسفہ؛ انجمن دانش؛ ادباء اور علماء کی انجمن؛ کسی خاص فن کی تربیت گاہ۔

فنون لطیفہ کی پہلی اکادمی ۱۵۶۳ء میں فلورنس میں واساری نے قائم کی تھی۔ اکادمی فرانسیس ۱۶۴۸ء میں قائم ہوئی۔ لندن میں رائل اکادمی ۱۷۶۸ء میں قائم ہوئی اور پہلی امریکی اکادمی فلاڈلفیا میں ۱۸۰۵ء میں قائم ہوئی۔ انیسویں صدی میں ہر ملک میں اکادمی فن میں نئے خیالات کا مرکز بن گئی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جگہ اکادمی بدنام ہو گئی اور لفظ اکادمک تعصب، رسمیت، بے لطف کا مرادف بن گیا۔"

مولوی عبد الحق صاحب کی "اردو انگلش ڈکشنری" صـ۶ پر بھی تقریباً یہی باتیں اکیڈمی کے تحت لکھی ہوئی ہیں۔ اکثر لغات اور فراہنگ میں اکیڈمی کا املا اس طرح ہے یعنی اکادمی حکومت اور پرائیویٹ طور سے قائم کردہ اکیڈمیوں کو بھی اکیڈمی کے بجائے اکادمی ہی لکھا جاتا ہے۔ مثلاً اردو اکادمی، غالب اکادمی، میر اکادمی ساہتیہ اکادمی وغیرہ لیکن زیر نظر مضمون میں راقم کو اس کے املا پر غور نہیں کرنا ہے بلکہ اس کے استعمال اور قیام کے سلسلے میں کچھ تحریر کرنا ہے بھلے ہی اسے ہم اکادمی، اکیڈمی، یا اکیڈیمی کیوں نہ لکھتے ہوں۔

جیسا کہ کلیم الدین احمد، مولوی عبد الحق کی لغات اور دوسری فرہنگوں سے یہ بات واضح ہے کہ اکاڈمی کا استعمال افلاطون کے زمانہ سے ہوا یا اس کے کچھ بعد اور افلاطون (متوفی ۳۴۷ ق م) یونانی حکیم تھا۔ گویا اکادمی یونانی لفظ ہے اور بعد میں انگریزی میں رائج ہو گیا اور جیسا کہ اکثر یونانی اور لاطینی الفاظ یا تو من و عن یا کچھ رد و بدل کے ساتھ انگریزی میں لے لئے گئے ہیں۔ اس لفظ کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوا۔

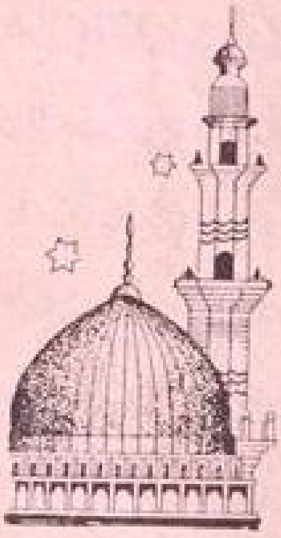
ابتداءً اکادمی افلاطون کی درسگاہ کو کہا گیا بعدہٗ

اس کے معنی میں وسعت آئی اور یہ انجمن دانش یا دانشوروں کی انجمن اور کسی خاص فن کی تربیت گاہ کے لئے استعمال کی جانے لگی۔ اب اکادمی کے معنی میں مزید وسعت پیدا ہو گئی ہے اور تعلیم کے معنی میں بھی اس کو استعمال کیا جانے لگا ہے جیسے اکیڈمک ــــ کیریر اور اکیڈمک کوالی فکیشن یعنی تعلیمی عمل یا تعلیمی رفتار تعلیمی زندگی اور تعلیمی قابلیت یا لیاقت وغیرہ۔ غرض کہ اکادمی ایسی انجمن یا ادارے کو کہیں گے جہاں سے کسی خاص فن یا تعلیم کے بارے میں اشاعتی اور تحقیقی و علمی امور انجام دیئے جاتے ہوں۔ مثلاً اردو اکادمی تو ایسی انجمن جہاں سے اردو زبان و ادب کے فروغ، اس کی اشاعت نیز اردو کے سلسلہ میں علمی و تحقیقی کام انجام دیئے جارہے ہوں۔ اسی طرح غالب اکادمی کے قیام کا مقصد ہے غالب کے فن اور کارناموں کو عام کرنا نیز غالب اور ان کے فن کے سلسلہ میں مزید تحقیق و جستجو کرنا۔ ہمارے یہاں رضا اکیڈمی مختلف جگہوں پر قائم ہے۔ اب رضا اکیڈمی کے قیام کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ امام احمد رضا بریلوی کی تعلیمات اور ان کے مسلک کو عام کیا جائے اور ان کی حیات و شخصیت، ان کے علمی، تحقیقی، دینی اور ملی و تجدیدی کارناموں سے اپنے اور بیگانوں کو واقف کرایا جائے حضرت رضا کا نام اور ان کے کام کو دانش گاہوں اور جدید حلقوں میں پہنچایا جائے۔ ان سب کیلئے ضروری ہے کہ حضرت رضا کی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت ان کے فن اور ان کے کارناموں پر کتابیں لکھی جائیں ان پر ریسرچ ورک کیا جائے اور یونیورسٹیوں میں ان کے مختلف علوم و فنون پر ریسرچ کرایا جائے وغیرہ وغیرہ، یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس کے لئے علماء و دانشوروں کی پوری ٹیم ہونی چاہئے اور پھر سب سے بڑا مسئلہ تمام کاموں کے لئے "فنڈ" کا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑا ضروری بلکہ اس دور میں لازمی ہے اور ہماری ایک ایسی رضا اکیڈمی ہونی چاہئے جو ملک گیر پیمانے کی اکیڈمی ہو۔

اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس طرح کی متعدد اکادمیاں قائم تو ہیں لیکن کیا وہ اکیڈمی کہلانے کی مستحق ہیں؟ اگر کہیں فنڈ اور سرمایہ ہے تو کام نہیں۔ اور کہیں کام کا جذبہ ہے تو دام نہیں۔ خدا کرے ایسی اکادمی قائم ہو جائے اور صحیح ڈھنگ سے کام ہو۔

اب اخیر میں اس دعا کے ساتھ راقم کی استدعا ہے کہ ہم مندرجہ بالا تمامی الفاظ چیئرویدی، پروفیسر، کانفرنس، یونیورسٹی اور اکادمی کے بیجا استعمال سے باز آئیں۔ چیئرویدی اور پروفیسر کے استعمال کا تو کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ ہمارے علماء اور خطباء کیلئے البتہ اگر کوئی صاحب واقعی پروفیسر ہیں تو انہیں ضرور پروفیسر کہا جائے لکھا جائے۔ اگر ہمارے یہاں کانفرنس ــــ لفظ کو کانفرنس کے مطلب و معنی کو سمجھ کر منعقد کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کارآمد ہی ہوگا۔ ہماری جماعت میں علم و قلم والوں کی کمی ہے نہ ہی حوصلہ و عزم والوں کی اور نہ ہی دام اور نام والوں کی اگر کمی ہے تو ڈھنگ سے کام کرنے کی۔ اتحاد و اتفاق کی۔

خدائے لم یزل ہماری دنیائے سنیت کو حقیقی معنوں میں دنیائے سنیت، دنیائے خلوص و محبت، دنیائے عزم و ہمت اور سارے عالم کے لئے دنیائے رحمت و برکت بنادے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔



(بقیہ ۶۴ کا)

پر بھرپور روشنی ڈالی۔ شب ۹ بجے صلاۃ و سلام اور دعا پر جشن کا اختتام ہوا۔ حاضرین لنگر تناول فرما کر رخصت ہوئے۔ نظامت کے فرائض مولانا محمد صادق علی رضوی مدرس مدرسہ ہذا نے انجام دیے۔

مجلس طلبۂ اسلام ایک کامیاب تحریک

اختر حسین فیضی   جہانا گنج، اعظم گڑھ

تنظیم ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر کوئی بھی تحریک کما حقہ' کامیابیوں سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ یہی ہمارا نظریہ اور مشاہدہ ہے۔ کسی تنظیم یا جماعت کو ایک تحریک کی صورت دیکر عوام کے نزدیک پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے ثابت قدمی اور جہد مسلسل کے ساتھ ساتھ عمل پیہم کی از حد ضرورت ہے اور خلوص وللہیت اس کی خوراک ہے جب جاکر کہیں وہ تحریک عروج وارتقار کی منزلوں کو چھو سکتی ہے۔

اسلام کے سرفروشوں نے جب اپنے اندر اس قسم کی کمی محسوس کی تو چند جانبازوں کو ساتھ لے کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کردیا اور اسلام کی تعلیمات عام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ یہی تحریک ایک دن "مجلس طلبۂ اسلام" کے نام سے ابھری اور اپنا ایک اچھا خاصا حلقہ بنالیا۔ اس کا صدر دفتر کلکتہ میں ہے اور شاخیں یوپی، کشمیر، بہار، اڑیسہ کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس جوش وخروش سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج بھی ہماری جماعت ایسے جانبازوں سے خالی نہیں اور حقیقت بھی ہے کہ نوجوان مجاہدوں کی بدولت مذہب اسلام کو قوت وطاقت اور عظمت وشوکت حاصل ہوتی ہے۔

اسلامی تاریخ بہت سی ایسی شخصیتوں کو اپنے دامن میں چھپائے ہے جنھیں تاریخ کبھی محو نہیں کرسکتی۔ جیسے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی وغیرہم، کی شخصیتیں ہمارے لئے نمونۂ عمل ہیں اسی طرح جہاں بھی اسلام کے نام پر جہاں بھی خون پیش کرنے کی نوبت آئی تو نوجوانوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور جہاں مال دینے کی ضرورت پڑی وہاں انھوں نے گھر کا گھر خالی کردیا۔ صدر اسلام میں ان انصاری مجاہدین کا کیا رد عمل رہا ملاحظہ فرمائیے۔

مہاجرین کے ساتھ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حسن اخلاق اور بھائی چارگی سے زندگی گذارنے کا پیغام سنایا تو ان انصاران کرام نے صرف مال ہی سے ان کی مدد نہ فرمائی بلکہ جن کے پاس دو بیویاں تھیں ان میں سے ان کی پسند پر ایک کو طلاق دینے کی پیش کش کردی جن میں سعد بن ربیعہ انصاری کا نام سرفہرست ہے اور ان کے ساتھ اخوت ومحبت کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ مہاجرین کو ترک وطن کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اتنی مشقتیں انھوں نے کیوں برداشت کیں تو اس کا واحد جواب صرف یہ ہوسکتا ہے کہ مذہب حق کے تحفظ و بقا کے لئے ورنہ اور کوئی دوسری منفعت ان کے سامنے نہ تھی۔

ایسے ہی تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی نوجوانوں کی ایک جماعت تھی۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم تحریری شکل میں محفوظ کرلو۔ کہ نسلاً بعد نسل لوگ اس سے مستفید ہوتے رہے ہیں ورنہ ایک دن وہ آئے گا کہ تعلیمات قرآن وسنت سے لوگ کوسوں دور نظر آئیں گے اور رفتگان اسلام سے بے خبر رہ کر بے راہ روی سے قریب تر ہوتے جائیں گے۔ خصوصا اس پر فتن دور میں جب کہ اسلام کو باطل قوتیں صفحۂ دہر سے مٹا دینا چاہتی ہیں اور مذہب کا سہارا لے کر عوام کو بد دینی کی طرف دعوت عام دی جاتی ہے۔ قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں ناروا حرکتیں برسر عام کی جاتی ہیں۔ ایسے ماحول میں اسلام کے چند سرفروشوں نے اسلام کی صحیح فکر سے روشناس کرانے کے لئے ایک انجمن کا قیام کیا جو ملک کے گوشے گوشے میں "مجلس طلبۂ اسلام" کے نام سے شہرت پاچکی ہے۔ جس نے مختلف صلاحیت کے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے، انگریزی زبان

سے متاثر حضرات جنھیں اسلامیات سے بہت کم تعلق رہتا ہے اور مذہبی ماحول میں پروان چڑھنے والے طلبہ جنھیں انگلش سے کم لگاؤ ہے یہ دونوں جماعتیں آپس میں ایک دوسری کی ضد ہیں جن کا شانہ بشانہ چلنا بہت دشوار ہے لیکن مجلس طلبۂ اسلام کلکتہ نے یہ بار عظیم اپنے کندھے پر اٹھایا جس میں وہ ایک حد تک کامیاب نظر آرہی ہیں۔ اور حقیقت ہے کہ جب یہ دونوں ایک ساتھ مل کر کوئی مشورہ کریں گے تو دینی اور دنیوی دونوں پہلو اس میں نمایاں ہوں گے۔ خصوصاً ایسے ماحول میں جب کہ دینی امور مغرب زدہ ہو کر رہ گئے ہیں اور اسلامی قانون کو مغربی قانون کی بہ نسبت کوئی وقار نہیں دیا جاتا جس وجہ سے ہمارا مد مقابل سینہ تانے ہوئے ہے ایسے ماحول میں، آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ہمارے اندر ان قوتوں کی ضرورت ہے یا نہیں جو ان خرافات کا خاتمہ کر دیے اور لادینیت کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیے۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے اگر ایک طرف مجلس طلبۂ اسلام کلکتہ اور اس کی شاخیں برسر عمل ہیں تو دوسری طرف ان طلبۂ اسلام کو (خواہ وہ دینی مدارس کے ہوں یا انگریزی کالج اور یونیورسٹی کے) چاہیے کہ ملک کے گوشے گوشے سے جمعیت کے انداز میں مجلس طلبۂ اسلام سے رابطہ قائم کریں اور ان کے جاری کردہ مشن کو اپنے حلقۂ اثر میں حُسنِ عمل کے ساتھ تشہیر کریں کہ ایک اسلامی سپاہی کا یہ فرض ہے کہ اسلام کی تعلیمات دور دور تک پہنچائے۔ اس لئے کہ یہ وہی تعلیمات ہیں جن کی خاطر ہمارے آقا نے مکہ کی گلیوں میں گالیاں سنی ہیں اور طائف کی گلیوں میں جسم لہولہان ہوئے ہیں۔ آپ کو ان مشقتوں کا سامنا کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ خالق کائنات آپ کی شان میں خود ارشاد فرماتا ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اے محبوب ہم نے آپ کو بہت کچھ عطا کیا۔ اور وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی اے محبوب عنقریب ہم آپ کو اتنا دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود رسول اللہ نے ان مشقتوں کا خوشی استقبال کیا۔ صرف اس لئے کہ اے مومنو! اگر تمھیں فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن ہونا ہے تو اپنی ذات کو بیدار کرنا ہوگا۔

لائق صد مبارکباد ہیں وہ جانباز جنھوں نے مجاہدین اسلام کے نقش قدم پر چلنے کے لئے اپنی جوانی کو جوانی نہ سمجھا اور جہاں بھی اسلام نے انھیں جس محاذ پر مدعو کیا اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو گئے۔ سچ ہے کہ آج ضرورت ہے ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کی جو آگے بڑھ کر لادینی کی طرف لیجانے والوں کا پنجہ مروڑ دیں اور ہر اس باطل قوت کی بنیاد تہہ و بالا کر دیں جس کی وجہ سے مذہب اسلام پر کوئی آنچ آنے والی ہو اور ہمیں یقین ہے کہ اس دور میں ان برائیوں کے سدباب کیلئے مجلس طلبۂ اسلام ایک متحرک و فعال جماعت کی حیثیت رکھتی ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ کا شکریہ ادا نہ کروں کہ انھوں نے اس مجلس سے متعلق بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی سرگرمیاں اور ضرورتیں ناچیز کے سامنے بیان فرمائیں جنھیں دل نے فوراً قبول کر لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان سطور کے اصل محرک مولانا موصوف ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارکان مجلس طلبۂ اسلام کو اپنے دین کی حفاظت کیلئے ہر وقت مستعد رکھے اور اس کار خیر میں جو بھی دشواریاں حائل ہوں انھیں اپنے فضل و کرم سے دور فرمائے اور اہل اسلام کے ہر ایک فرد کو دین اسلام کا سچا پکا سپاہی بنا دے۔

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ
الحدیث
صابر سیوانی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ هَلُوْعًا یعنی انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے
کتاب لب لباب میں مقاتل سے منقول ہے کہ ہلوع کوہ قاف کے پیچھے ایک جانور ہے جو روزانہ سات جنگلوں کو تر گھاس سے خالی کر دیتا ہے اور تمام سوکھی گھاس پات چٹ کر جاتا ہے۔ سات دریاؤں کا پانی پیتا ہے گرمی اور سردی میں بے تاب رہتا ہے اور ہر رات اس خیال میں گزارتا ہے کہ کل کیا کھائے گا اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے صبری کے لئے اس جانور سے تشبیہ دی ہے۔

امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس لکھنؤ

عبدالمصطفےٰ صدیقی
کنوینر کانفرنس

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی علمی ضیاؤں سے نہ صرف یہ کہ کشورِ ہند سے جزیرۃ العرب تک بلکہ سارے عالم اسلام کو درخشاں بنادیا جبھی تو حضرت سید ایوب صاحب رضوی بریلوی گنگنا اٹھے ؎

مانا عرب نے تجھکو یگانہ کہا عجم نے تیرا ترانہ
مانے ہے تجھکو سارا زمانہ حامیٔ سنت اعلیٰحضرت

اور الحمدللہ امام احمد رضا کی روشن کی ہوئی شمع محبت کی کرنیں دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہیں ؎

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہوگئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج تک

امام احمد رضا نے زندگی بھر ناموس پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند رکھا ؎

رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے
انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وشوکت کے جھنڈے لہرائے ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کو سب سے اونچا رکھا ؎

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کو زندگی کا سامان بنائے رکھا اور اس میں شب و روز اضافہ کی اس طرح دعا فرمائی ؎

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو حرز جان بنائے رکھا ؎

ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے
کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے
دل کو ان سے جدا خدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

اور پھر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نعمت عظمیٰ کو سینے سے لگائے ہوئے آغوش لحد کو منور کرلیا ؎

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے
قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو دوجہان کی بادشاہی جانا ؎

سنگ در حضور سے ہمکو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جاچکے دل کو قرار آئے کیوں

مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرات کو غذائے روح بنایا ؎

دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنہ جائے کیوں
اب تو نہ روک اے غنی عادت سگ بگڑ گئی
میرے کریم پہلے ہی لقمۂ تر کھلائے کیوں

صاحب قاب قوسین صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی کو قبلۂ حاجات سمجھا ؎

مانگیں گے مانگے جائیں گے منھ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جود وعطا بخشش وکرم پر انھیں اتنا بھروسہ تھا کہ ؎

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

کوچہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی گدائی پر کس قدر ناز تھا سبحان اللہ ۔

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو جان ایمان سمجھا ۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسے بطل جلیل اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کی بارگاہ میں سب سے بڑا نذرانہ ان کی تصنیفات کو زیور طبع سے مزین کرنا، مسلمانوں تک پہنچانا، ان کی کتابوں کے اور مضامین کو سہل اور عام فہم انداز میں پھیلانا حضور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی اور تعظیم و محبت کو مسلمانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں نقش کرنا ہے۔ اسی پاک جذبے، نیک مقصد اور مبارک و مسعود ارادے سے لکھنؤ جیسے تاریخی علمی اور ادبی شہر میں یوم رضا کے مبارک موقع پر مورخہ ۱۰ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ کو پہلی مرتبہ "امام احمد رضا سیمنار و کانفرنس" کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ ملک اور بیرون ملک کے ممتاز علمائے اہلسنت، مشائخ طریقت، دانشوران ملت اور ارباب فکر و نظر جمع ہوں اور پیدا ہونے والی نئی نئی جماعتوں اور نئے نئے فتنوں سے جو نئے نئے انداز اور لباس میں لوگوں کو دھوکہ دے رہی ہیں۔ ان کے فتنوں سے عوام کو محفوظ کریں ۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اور دلوں کو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوثر و سلسبیل سے دھو کر مہر و وفا کا مرکز اور مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا مدینہ بنائیں ۔

اُن کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
اپنا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

الحمد للہ "امام احمد رضا سیمنار و کانفرنس" کے منتظمین کی آواز پر پورے ملک سے تحسین اور پذیرائی ہو رہی ہے اہل علم و فضل اور ارباب فکر و نظر نے تحسین و آفریں، شرکت کے وعدے، اپنی تحقیقات و نگارشات کے علاوہ ہر طرح کے تعاون سے بھی نوازنے کی پیشکش کی ہے ۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

چنانچہ حلقۂ محبت روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ خاموش معاونین شریک کار ہوتے جا رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے عقیدتمندوں کے محبت بھرے خطوط مسرت انبساط کے جذبات لیکر روز بروز آ رہے ہیں۔ جس سے حوصلے بلند ہو رہے ہیں اور اعتماد بڑھ رہا ہے۔

قابلِ ستائش مضامین اور چند اہم تجاویز

ڈاکٹر محمد احمد اعظمی (گھوسی، مئو)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا حجاز جدید ماہ اکتوبر ۱۹۹۱ء باصرہ نواز ہوا۔ آپ کا اداریہ بعنوان "تحفظ عبادت گاہ بل ۱۹۹۱ء کا خیر مقدم" پڑھا دل سے یہ دعا نکلی کہ خدا اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ موجودہ سیاست پر مستقل جمی رہتی ہے جو قوم مسلم کے لیے بہت ضروری ہے۔

آپ کی باریک بیں نگاہ نے جو تجزیہ کیا ہے قابل صد ستائش ہے۔ اور امید ہے کہ آپ اپنے نوکِ قلم سے دینی وملی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔

آپ کا ماہنامہ حجاز جدید (بلکہ ہم سب کا) اپنے مسلک کا تعارف کرانے میں ایک اہم رول ادا کر رہا ہے جس کے دیکھنے کے بعد کافی مسرت ہوتی ہے۔

آپ کا ایک مضمون بعنوان "کنز الایمان اور دیگر اردو تراجم ایک تقابلی مطالعہ" بہت غور سے مطالعہ کیا بہت ہی اچھے پیرایہ میں شستہ الفاظ کے ساتھ تقابل کیا ہے لیکن اگر ایک بات کا تھوڑا بہت خیال فرما لیتے تو مضمون کے اندر اور ہی نکھار آ جاتا وہ یہ کہ جہاں کہیں اردو الفاظ اور محاورے کے استعمال کا مسئلہ اٹھتا ہے تو تمثیلاً اس زبان کے دانشور، ادیب اور شاعر کے محل استعمال کو پیش کر دیا جاتا ۔۔۔

آپ شاید اس لئے ایسا نہ کر سکے کہ اختصار کا تقاضا کچھ اور تھا لیکن کہیں کہیں محل استعمال کی رائج صورت بتادی جاتی تو کسی کو کسی طرح کے اعتراضات کا موقع ہاتھ نہ آتا ویسے تو نہ ماننے والوں کے لیے دلیلیں لاکھ اچھی سہی نہیں ماننا ہے تو نہیں مانیں گے۔

مضمون مکمل جامع اور مدلل ہے۔ اور آپ نے مختلف باب کے تحت اختصار کے ساتھ سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔

دیگر مضامین بھی قابلِ ستائش ہیں جس میں "مولانا شاہد رضا نعیمی صاحب سے ایک ملاقات" یہ ملاقات جناب ظہیر الدین صاحب کان پور کے توسط سے آپ کے حجاز جدید میں زینتِ صفحات بنی۔

جس طرح سے سوال کیا گیا اسی طرح عمدہ پیرایہ میں تفصیلاً جواب بھی دیا گیا ہے۔ مولانا شاہد رضا نعیمی صاحب سے جو باتیں معلوم ہوئیں اس میں بہت سی باتیں خوش کن ہیں لیکن کچھ باتیں مسلمانوں اور علماء کرام کے لئے المیہ ہیں۔ وہ اس طرح کہ انگریزی زبان کا نہ علم ہونا جو ایک انٹرنیشنل زبان ہے جس کا علم نہ ہونے کے سبب علماء کرام کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ خود علماء کرام کر سکتے ہیں۔

کسی غیر کی زبان سیکھنے میں کسی کو بھی کوئی عار نہیں ہونا چاہیے خواہ ہندی ہو یا انگریزی۔ وہ اس لئے کہ جب تک اس زبان کا مکمل علم اگر نہیں ہے تو غیروں کو اپنا پیغام کس طرح پہنچا سکتے ہیں اس کی کمی علماء کرام میں بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے اپنے پیغام اور مافی الضمیر کو ان تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوتے اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے آپ نے ایک قدم اٹھایا اس کے علاوہ مختلف شعبہ جات میں جس کی ضرورت کو شدت کے ساتھ آپ نے محسوس کیا اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں کامیاب وکامران کرے۔ آمین!

جہاں آپ نے اتنے کاموں یا شعبوں کا بیڑا اٹھا رکھا ہے وہیں میری ناچیز تجویزوں پر بھی غور فرمالیں امید کہ آپ میری اس تجویز سے اتفاق کریں گے اس لئے آپ جن حالات سے دوچار

ہوئے ہیں اس کا تو عرفان آپ کو ہو ہی گیا ہوگا۔

تجاویز

۱۔ انگریزی لکھنا، پڑھنا، سمجھنا اور بولنا
سمجھنا اور بولنا اس لئے کہ کتنے لوگ لکھتے بھی ہیں لیکن سمجھ نہیں پاتے اور کتنے لوگ سمجھ تو لیتے ہیں لیکن بول نہیں پاتے۔

۲۔ تکنیک کا شعبہ:۔ سلائی، گھڑی سازی یا اسی طرح کا اور دوسرا کام جس کے سیکھنے اور کرنے میں کوئی قباحت اور عار نہ ہو۔

۳۔ پرائمری درجات میں نرسری ٹاپ کا کورس، پرائمری درجہ بنیادی ڈھانچے کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لئے وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

۴۔ حساب، پیمائش اور نقشہ وغیرہ۔ حساب کا معاملہ بھی عجیب ہے اس فن میں بھی کورے رہ جاتے ہیں جبکہ فرائض میں حساب وکتاب کا کتنا عمل دخل ہے۔ اس کا آپ کو خوب اندازہ ہے۔

اگر آپ کو یہ تجاویز پسند آجائے تو اپنے توسط سے لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں کو بیدار کریں آپ کے پاس بہترین ذریعہ ہے۔

دارالقلم دہلی کا تاریخ ساز منصوبہ

ایس۔ اختر مصباحی

۱۹۸۲ء میں سعودی عرب سے ہندوستان واپسی کے بعد ملک کی بہت سی بڑی درسگاہوں نے مجھے اپنے یہاں تدریسی خدمات کی دعوت دی۔ خود مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارکپور جہاں سالہا سال تک میں تدریسی فرائض انجام دے چکا تھا اس کے ارباب حل وعقد نے مختلف ذرائع سے بار بار اس کی پیش کش کی کہ آپ یہاں آکر اپنا کام شروع کریں۔ لیکن میں نے ان دعوتوں کو قبول نہ کرتے ہوئے سرزمین دہلی کا انتخاب کیا۔ اور یہاں آکر دہلی کے سب سے تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر مسلم علاقے میں اپنے ذاتی خرچ سے کرایہ کا ایک مکان لے کر رہائش پذیر ہو گیا اور کئی طرح کی دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود خاموشی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے احساسات وجذبات کی پرورش کرتا رہا۔

دہلی میں قیام کا مقصد نہ تو ملازمت ہے اور نہ تجارت اور نہ ہی محض اپنے ذاتی مفادات ومصالح کی تحصیل وتکمیل۔ کیونکہ یہ کام دوسرے بہت سے شہروں میں یہاں سے بہتر طریقے پر انجام دیا جا سکتا تھا۔ اور میرے لئے کئی ایک راہیں کشادہ تھیں اور بہت سارے دروازے بھی کھلے ہوئے تھے۔

دہلی ہندوستان کا دل اور اس کا مرکزی مقام ہے۔ اور یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز پورے ملک پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اذہان وقلوب اس سے مسخر ومسحور ہو جاتے ہیں۔

ابتدا ہی سے میرے سامنے ایک عظیم الشان منصوبہ اور مستقبل کے بلند عزائم تھے جنہیں میں دہلی ہی میں رہ کر پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔ اور غالباً اس منصوبہ کی طرف پیش قدمی کا اب مناسب وقت قریب بھی آچکا ہے۔ جس کی تمہید اور ذہن سازی کا فریضہ ماہنامہ حجاز جدید دہلی تین سال سے انجام دے رہا ہے۔

اس وقت میرے سامنے کام کا جو نقشہ ہے اسے مختصر الفاظ میں کاغذ کے صفحات پہ اتارنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ صرف میرا اپنا نقشۂ نظر ہی نہیں بلکہ قوم کے مچلتے ہوئے جذبات کی سچی عکاسی اور اس کی صحیح نمائندگی ہے۔ اور اسے پڑھ کر آپ کی خاموش زبان بول اٹھے گی کہ آپ نے ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ ہماری بے تاب آرزوؤں کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ اور ہمارے ساکت وجامد کاروانِ فکر وعمل کی رگوں میں آپ نے خون زندگی دوڑا دیا۔

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

مجوزہ دارالقلم دہلی کے اندر مندرجہ ذیل شعبے ہوں گے۔

۱۔ لائبریری دینی وعلمی موضوعات پر مشتمل قدیم وجدید کتب کا وافر ذخیرہ، جس سے ایک متعین ضابطہ کے تحت ہر شخص استفادہ کر سکے گا۔ اور محققین ومصنفین کو جہاں اپنی بیشتر مطلوبہ کتابیں دستیاب ہو سکیں گی۔

۲۔ اسلامک ریسرچ اکیڈمی ابھرتے ہوئے جدید مسائل پر ریسرچ کا معقول انتظام، جس میں بالغ نظر علماء وفضلاء اسلامی اصول وضوابط

کے تحت ائمہ دینی علمی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دادِ تحقیق دے سکیں گے۔

۳۔ دارالتصنیف والتالیف ضروری موضوعات پر کتابوں کی ترتیب وتدوین کی سہولیات!

جس کے ذریعہ ماہر اصحاب قلم کی بامعاوضہ خدمات حاصل کرکے ان منتخب موضوعات پر عصری اسلوب میں وقیع گرانقدر کتابیں لکھوائی جاسکیں گی۔

۴۔ دارالترجمہ متعدد اہم ملکی وغیر ملکی زبانوں کی مفید کتب ومقالات کے ترجمہ کا اہتمام! دوسری زبانوں کے اصحاب فکر ودانش کی قلمی کاوشوں سے متمتع وبہرہ یاب ہونے اور ان کے فیضان کو عام کرنے کے لئے مستند مترجمین اس شعبہ میں ترجمہ کے فرائض انجام دیں گے۔

۵۔ ٹریننگ سینٹر اسلامی وعصری درسگاہوں کے ہونہار طلبہ کی ذہنی وفکری تطہیر وتربیت اور تعمیرِ شخصیت کا مناسب اور باوقار نظم وضبط! تغیر پذیر دنیا اور حالات حاضرہ کے رجحانات ونظریات سے واقفیت بہم پہنچانے، حکمت وموعظتِ حسنہ کے ساتھ فریضۂ دعوت وتبلیغ انجام دینے، اور ادب وانشار پردازی کا اعلیٰ ذوق پیدا کرنے کے لئے مدارس اسلامیہ اور کالج ویونیورسٹی کے دینی ذوق رکھنے والے ان ممتاز طلبہ کو اس ٹریننگ سینٹر کے دوسالہ کورس کی تکمیل کا موقع فراہم کیا جائے گا جن سے مستقبل میں خدمت اسلام کی اچھی توقعات وابستہ ہوسکیں اور جن کی جبینِ سعادت سے اقبال وارجمندی کے آثار ہویدا ہوں۔

۶۔ دارالاشاعت دارالقلم اور دیگر اسلامی اداروں کی کتابوں کو عوام وخواص تک پہنچانے کا اشاعتی پروگرام! عمدہ کتابت وطباعت اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ ان سبھی کتابوں کو منظرِ عام پر لایا جائے گا۔ جن کی مارکیٹ میں مانگ ہو۔ اور جو اذہان وقلوب کی تطہیر وتعمیر میں مفید ومعاون ثابت ہوسکیں۔ درسی کتابوں کی اشاعت کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جائے گی۔

۷۔ میگزین ملک وبیرون ملک اپنی آواز کو پہنچانے، اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے اور اپنی سرگرمیوں سے روشناس کرانے کے لئے ماہنامہ کا اجراء کیا جائے گا۔ ساتھ ہی ایک ہفت روزہ کے اجراء پر بھی غور کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا سبھی شعبوں میں کم ازکم یہ چار زبانیں استعمال کی جائیں گی۔ عربی، اردو، ہندی، انگریزی

۸۔ سیمینار ہال علمی وفکری موضوعات پر مختلف طبقوں کے اصحاب علم وفضل کے افکار وآراء حاصل کرنے کے لئے سیمینار وسمپوزیم کا انعقاد دورِ حاضر کا ایک دانشورا اسلوب ہے۔ جہاں خالص علمی ماحول میں تبادلۂ خیالات کی سنجید نشستیں ترتیب دی جاتی ہیں اور ان کے بہتر نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔

مجوزہ دارالقلم دہلی اس روایت کو خالص مذہبی حلقوں میں رواج دینے کے لئے ایک پرشکوہ سیمینار ہال تعمیر کرے گا جہاں مشاہیر علماء وفضلاء یکجا ہوکر کسی بھی متعین موضوع پر اپنی علمی تحقیقات واستدلالات کا خلاصہ پیش کرسکیں گے۔

۹۔ مطالعۂ مذاہب معروف ادیان ومذاہب سے متعلق بنیادی معلومات حاصل کرنے اور ان کا تقابلی مطالعہ کرنے کے لئے اہم کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا جائے گا اور حکمت وبصیرت کے ساتھ مہمان غیر مسلم دانشوروں کو روح اسلام سے قریب کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۱۰۔ دعوت واصلاح دعوت اسلامی کے فروغ اور اصلاح معاشرہ کے لئے دُعاۃ ومبلغین کی ایک تربیت یافتہ ٹیم ضرورت کے لحاظ سے مختلف صوبوں میں رضاکار خدمات انجام دے گی۔ اور اس کے جملہ اخراجاتِ سفر کا انتظام خود دارالقلم دہلی کے ذمہ ہوگا۔

۱۱۔ رابطۂ علماء ہند ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں علماء وائمہ کرام کو مربوط ومنظ

کرنے اور مسلمانانِ ہند کی مثبت وتعمیری قیادت کا فریضہ انجام دینے کے لئے رابطہ علمار ہند کے نام سے ایک سرگرم وفعال تنظیم کی تشکیل عمل میں آئے گی۔ جس کا دائرہ کار محض دینی وعلمی اور اصلاحی حدود تک محدود ہوگا۔ اور کسی سیاسی پارٹی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۱۲۔ عالمی رابطہ عالم اسلام کی جلیل القدر اسلامی شخصیات، ممتاز دینی مراکز، مشہور علمی اداروں، اور موثر مذہبی تنظیموں وتحریکوں سے رابطہ قائم کرنے، ان کے تجربات سے استفادہ کرنے، اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے واقف رکھنے کے لئے ورلڈ اسلامک مشن کے اشتراک وتعاون سے عالمی رابطہ کا ایک باضابطہ شعبہ قائم کیا جائے گا۔

۱۲۔ مہمان خانہ مجوزہ دارالقلم دہلی میں تحقیق وریسرچ کے لئے آنے والے معزز مہمانوں کے قیام وطعام کا معقول بندوبست ہوگا۔ کمروں کی بکنگ اور دیگر انتظامات کی متعین فیس ادا کر کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے ہر صاحب علم اس سے استفادہ کر سکے گا۔

۱۴۔ قادری مسجد مسلم اسٹاف اور مہمان مسلم فضلاء ومحققین پر نماز باجماعت کی پابندی لازمی ہوگی۔ جسے وہ مجوزہ قادری مسجد کے اندر ادا کریں گے۔

اللہ کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ دارالقلم کے لئے چند مخلص مسلمانانِ اہلسنت ذاکر نگر۔ نئی دہلی نے تقریباً تین ہزار گز زمین کا انتظام کر دیا ہے۔ اور ان کے اشتراک وتعاون سے باؤنڈری کی تعمیر کا پہلا مرحلہ درپیش ہے۔ جلد ہی انشاء المولی تعالی باقاعدہ نقشہ کے مطابق دیگر تعمیرات کا بھی آغاز ہو جائے گا۔

سبھی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ایک لمبی مدت درکار ہے۔ جس کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ جو لوگ اس وقت سامنے آئیں انھیں کے ہاتھوں ہمارا کام مکمل ہو جائے۔ آنے والی نسل بھی اگر اس مقصد میں کامیاب ہو جائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔

اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے مسلسل تگ ودو کی ضرورت پیش آئے گی اور اس کی طرف اصحاب خیر کو متوجہ کرنے کے لئے مسلم معاشرہ کے بااثر افراد کا عملی اشتراک وتعاون بھی درکار ہے۔

علماء وائمہ کرام خلوص دل سے اس کی سرپرستی کریں اور اسے اپنا دینی وملی فریضہ سمجھتے ہوئے دلچسپی وسرگرمی کا مظاہرہ کریں تو دس پانچ سال کے اندر اندر ہی خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ خواب مستقبل قریب میں کسی حد تک شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

مجھے یقین ہے کہ بیدار مغز نوجوان علماء خصوصیت کے ساتھ دارالقلم کے عظیم الشان منصوبہ کو اپنی آرزوؤں کا مرکز قرار دیں گے۔ اور وہ اس کی تکمیل کے لئے اپنی ہر ممکن خدمات پیش کریں گے۔

اس سلسلے میں اصحاب فکر ونظر کے مفید مشوروں کا بھی خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا جائے گا۔ ان سے گزارش ہے کہ پہلی فرصت میں اپنے خیالات وتاثرات سے آگاہ فرمائیں۔

آخر میں قومی وملی درد رکھنے والے سبھی مخلص حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں جس حد تک تعاون کے لئے تیار ہوں اس سے آگاہ فرمائیں۔ اور کل کا انتظار کئے بغیر آج ہی اپنے دل ودماغ اور قلم وقدم کو حرکت وعمل سے روشناس کرائیں۔ کیونکہ

وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

رابطہ کا پتہ

(۱) دارالقلم ۱۱/۱۶۱ جوگابائی جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

(۲) دارالقلم ۴۲۳ مٹیا محل، جامع مسجد۔ دہلی ۶

دینی و تبلیغی سرگرمیاں

ادارہ

گوہاٹی

دارالعلوم مخدومیہ گوہاٹی کے بانی و سربراہ علامہ ارشد القادری کی صدارت میں ۱۷، ۱۸ دسمبر کو گوہاٹی شہر میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ سرکار مدینہ کانفرنس کے نام سے دو روزہ اجلاس منعقد ہوا جس میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ شمالی مشرقی ریاستوں کے طول و عرض سے ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔

دو روزہ اجلاس میں وحدت اسلامی کا عالمگیر تصور، دینی تعلیم، عملی زندگی کو سیرت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے اور نماز کی افادیت پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا۔ ہر مقرر نے قیام امن اور انسانیت نواز تمدن کے سلسلے میں اسلام کی زریں خدمات پر بھرپور روشنی ڈالی اور ان دیواروں کو توڑ دینے کی اپیل کی جو وطن، نسل اور زبان کے نام پر انسانوں کو تقسیم کرنے کے لئے مختلف حصوں میں کھڑی کی جا رہی ہیں۔

آخری اجلاس میں علامہ ارشد القادری نے نعروں کی گونج میں اعلان کیا کہ دارالعلوم مخدومیہ کے زیر اہتمام بہت جلد ایک یونانی میڈیکل کالج اور ایک ٹیکنیکل اسکول کا قیام عمل میں لایا جائیگا تاکہ نئی نسل کو معاشی اعتبار سے خود کفیل بنایا جا سکے۔

ملک کے جن مشاہیر علماء و خطباء نے کانفرنس کو خطاب کیا ان میں مولانا ضیاء المصطفےٰ شیخ الحدیث اشرفیہ مبارکپور، مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب بدایوں، مولانا ابوالحقانی مدھوبنی، مولانا سید اختر مرادآبادی، مولانا ایوب مظہر مہتمم دارالعلوم مخدومیہ گوہاٹی، مولانا رحمت حسین بائیسی، مولانا دلکش پورنیوی، مولانا نورالنبی سیحر، اور مولانا تمیزالدین سلی گوڑی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آخری اجلاس صبح چار بجے صلاۃ و سلام اور رقت انگیز دعاؤں پر تمام ہوا ——— (سید اسلام الدین ناظم دفتر دارالعلوم مخدومیہ گوہاٹی)

شاہجہان پور

شاہجہانپور ۲۳ر نومبر۔ مسجد مدرسہ برکات العلوم تارین ٹکلی میں انجمن رضائے مصطفےٰ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ بنام "تحفظ ناموس رسالت کانفرنس" منعقد ہوا۔ اہلسنت و جماعت کے جن ممتاز و مایہ ناز علماء و مقررین نے جلسۂ عام کو اپنے اپنے نورانی و عرفانی اور معلومات افزا خطاب سے سرفراز فرمایا ان میں حضرت مولانا منان رضا خاں بریلوی، حضرت مولانا سید طاہر میاں قمر شاہجہاں پوری، حضرت مولانا عبدالرحیم قادری کانپوری، حضرت مولانا عبدالجبار خاں رضوی، حضرت مولانا محمد نذیرالدین اشرفی، حضرت مولانا محمد قسمت اللہ سکندرپوری، حضرت مولانا شمشاد حسین شاہ آبادی، کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ شاعر اہلسنت سید قیصر وارثی لکھنوی نے نعتیہ کلام پیش کرنے کے ساتھ نظامت کے فرائض بھی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیئے۔

اجلاس کے آخر میں صدر جلسہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ شیخ الحدیث دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف نے راقم کانپوری کے چیلنج کے طور پر کئے گئے چار سوالوں کے مکمل و مدلل جوابات مرحمت فرمائے۔ جن کو سننے کے لئے حاضرین جلسہ بڑے ہی بے تاب تھے۔ صلاۃ و سلام اور حضرت منانی میاں کی دعا پر اس تاریخ ساز کانفرنس کا اختتام ہوا۔ حضرت مولانا حضور احمد منظری، مولانا انتظار القادری، جناب حافظ خلیق الزماں خاں، جناب مشتاق علی خاں، جناب امتیاز علی خاں، جناب حاجی محمد اسلم خاں، جناب رئیس احمد قالین مرچنٹ، جناب محبوب انجم لودھی پوری، جناب زبیرالقادری و دیگر احباب اہلسنت اور ارکان انجمن رضائے مصطفےٰ نے اس کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار

کرنے کیلئے بے پناہ جہد و جہد کی ——— مرزا فیاض بیگ، سکریٹری انجمن رضائے مصطفےٰ تارین ٹیکلی، شاہجہانپور۔ یو۔پی۔

برہان پور ———

ہرسال کی طرح امسال بھی عرس حضرت سید محمد علی حسین اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ و پیر طریقت محمد عبدالغفور بخش اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ سرکار برہانپور، بتاریخ ۲۵، ۲۶، ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ ۳۱ جنوری ۱، ۲ فروری کو بمقام خانقاہ اشرفیہ اشرف نگر، برہانپور میں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ منایا جا رہا ہے۔

جلسۂ دستار فضیلت ۲۶ رجب یکم فروری کو منعقد کیا جا رہا ہے۔ جسمیں ملک اور بیرون ملک کے اکابرین علماء کرام اور مشائخ عظام خصوصاً حضرت مولانا الحاج سید محمد مختار اشرف و حضرت مولانا سید محمد ہاشمی میاں و حضرت مفتی محمد عبدالحلیم و حضرت مولانا شبیم اشرف ازہری اور مہمان خصوصی حضرت الحاج صوفی محمد قاسم اشرفی۔ افریقہ تشریف لا رہے ہیں۔

عبدالسلام قادری اشرفی بارہ بنکوی متعلم جامعہ اشرفیہ برہانپور۔ ایم۔پی۔

ناگپور ———

۱۵، ۱۶ نومبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، ہفتہ دارالعلوم احمدیہ بغدادیہ شطرنجی پورہ کا دو روزہ اجلاس حضرت مولانا سبطین رضا خاں صاحب کی صدارت اور مفتی ناظر اشرف صاحب کی نظامت میں منعقد ہوا۔ جس میں ایک درجن سے زائد علماء و شعراء شریک ہوئے اور ہزاروں ہزار افراد نے شرکت فرمائی۔ جسمیں مبلغ افریقہ مفتی ایوب مظہر اور مفتی عبدالحلیم، مولانا تراب الدین، مولانا عبدالودود صاحب رائپوری، مولانا عبدالرشید جبلپوری وغیرہ نے نہایت ہی بصیرت افروز خطابت کے گوہر آبدار لٹائے۔ خاص کر مبلغ افریقہ نے حالات حاضرہ پر مدلل و مفصل روشنی ڈالی اور جناب جھاپڑ ناگپوری سلطان احمد صاحب کانپوری نے اپنے لطافت انگیز اشعار سے سامعین کے قلوب جیت لئے۔ دوسری شب حضرت سید مجبوب اشرف و شہزادہ فیض العارفین یزدانی میاں نے بھی شرکت فرمائی اور گیارہ طلباء کرام کو دستار و سند فراغت سے نوازا گیا۔

محمد مستقیم احمد رضوی خادم دارالعلوم احمدیہ بغدادیہ شطرنجی پورہ، ناگپور۔

ہوڑہ ———

مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۹۱ء انجمن فیضان رضا کی جانب سے دارالعلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ میں حافظ ملت علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے عرس کا اہتمام کیا گیا۔ جسمیں حضرت علامہ اختر رضا ازہری اور حضرت مولانا محمد معراج صاحب منظری نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کے سلسلے میں تقریریں فرمائیں اور نقابت کے فرائض مولانا مفتی نثار المصطفےٰ صاحب شیخ الحدیث نے انوکھے و نرالے انداز میں انجام دیئے۔ نیز دارالعلوم کے طلبہ نے گلدستۂ نعت و منقبت اور تقریروں سے نورانی سماں باندھ دیا۔ آخر میں صلوٰۃ و سلام و قل پر محفل کا اختتام ہوا۔

محمد منظور عالم قادری ناظم نشر و اشاعت انجمن فیضان رضا دارالعلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ بنگال

بالسکوڑہ، مدناپور ———

ضلع مدناپور مغربی بنگال کی مرکزی درسگاہ مدرسہ قادریہ بالسکوڑہ کے زیر اہتمام ۱۴ نومبر ۹۱ء کو آقائے نعمت حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کا عرس سراپا قدس نہایت آن بان اور شان و شوکت کے ساتھ مدرسہ کے وسیع ہال میں منایا گیا۔ حسب پروگرام بعد نماز فجر قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہوا جو تقریباً ۱۰ بجے تک جاری رہا۔ بعد نماز ظہر کلمہ خوانی ہوئی پھر بعد نماز مغرب نعت خوانی کا دور چلتا رہا اور ٹھیک پونے چھ بجے جو حضرت کا وقت وصال ہے قل شریف کی رسم ادا کی گئی بعدہٗ "جشن مجاہد ملت" کا انعقاد ہوا۔ جشن کا آغاز حافظ عبدالاحد صاحب فریدی مدرس مدرسہ ہٰذا کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ طلبہ اسلام نے نعت و مناقب کے گلدستے پیش کئے۔ حضرت مولانا محمد صادق علی رضوی اور حضرت قاری محمد طاہر حسین نوری نے بنگلہ اور اردو زبان میں مجاہد ملت کی ذات ستودہ صفات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ آخر میں مدرسہ کے صدر حضرت مولانا مفتی سید شاہ آل رسول حبیبی ہاشمی نے سیرت مجاہد ملت

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

القدس کانفرنس بمبئی کی قرار دادیں

نظام الدین فاروقی

۲۰ دسمبر کی شب کو مستان تالاب میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کے زیر اہتمام منعقدہ القدس کانفرنس میں جو قرار دادیں منظور کی گئیں وہ اس طرح ہیں۔

۱۔ حرمین شریفین اور بیت المقدس عالم اسلام کی امانت ہیں اسے کسی ایک ملک کی ماتحتی میں نہ رکھ کر اس کے لئے ایک آزاد و با اختیار انتظامیہ تشکیل دی جائے جو تمام مسلم ممالک کے منتخب ممبران پر مشتمل ہو۔ نیز حرمین شریفین کو آل سعود اور بیت المقدس کو یہود سے عالم اسلام متحد ہو کر آزاد کرا کے ان کے ناجائز اور غاصبانہ اقتدار کو ختم کرے۔

۲۔ مرد آہن صدام حسین کا رخ جب تک حرمین شریفین سے نجدی حکومت (آل سعود) اور بیت المقدس سے یہودیوں کے ناجائز قبضے سے آزادی دلانے کی جانب رہے گا ہندوستان کے کروڑں مسلمان تن من دھن سے عراق اور اس کے سربراہ صدام حسین کے لئے ہر امکانی قربانی پیش کرتے رہیں گے۔

۳۔ دنیا کے تمام امن پسند ممالک کو متحد ہو کر سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممبران یعنی امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور چین پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ اسرائیل کی ایٹمی توانائی اور مہلک ہتھیاروں کی چھان بین اور اسے تباہ کرنے کے لئے ویسے ہی کاروائی کریں جیسے عراق کے خلاف کی جارہی ہے تاکہ طاقت کا توازن بگڑنے نہ پائے۔

۴۔ جنگ ہمیشہ دو حکومتوں اور ان کی فوجوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اسی لئے جنگ کے اثرات بھی محدود رکھے جاتے ہیں یہ کیا کہ عراق کے لاکھوں انسانوں کی بنیادی ضرورتوں کو پوری نہ ہونے دیا جائے۔ بچے دودھ کو اور بیمار دوا کو ترس جائیں اور اس ملک کے انسانوں کی معیشت کو ظالمانہ ناکہ بندی سے مفلوج کر دیا جائے۔ سلامتی کونسل کی تاریخ میں ایسی بے رحم مثال نہیں ملتی کہ امریکہ کا جنوبی افریقہ و اسرائیل اور روس جیسے جارح ممالک کی جارحیت کیخلاف کبھی مذکورہ قسم کی اقتصادی ناکہ بندی کی گئی ہو بلکہ اس کے برعکس جنوبی افریقہ سے پابندیاں اٹھائی جارہی ہیں۔ اسرائیل کی پشت پناہی کی جارہی ہے اور روس کو تاریخ شکن مالی امداد دی جارہی ہے۔ امریکہ کے اسی سیاسی دوغلے پن سے یہ خطرہ شدید تر ہوتا جارہا ہے کہ عالم اسلام کے غیور نوجوان مایوس ہو کر کہیں عالمی سطح پر تشدد نہ اختیار کرلیں۔ اور خود امریکہ کا وجود امریکہ کی نظر میں غیر یقینی ہونے لگے۔ لہٰذا امن عالم کے لئے ضروری ہے کہ بہ عجلت ممکنہ عراق سے اقتصادی پابندی تجارتی ناکہ بندی ختم کی جائے۔

۵۔ خلیجی جنگ کے تعلق سے امریکہ کا اگر یہ موقف درست ہے کہ اس نے عراق اور اسلام دشمنی نہیں بلکہ اقوام متحدہ کی بالادستی کے لئے اس کی منظور شدہ تجویز کے تحت ہی اقدام کیا ہے تو آج کا یہ اجلاس امریکہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی ہی منظور کردہ تجویز کے تحت اسرائیل سے پڑوسی عربوں کے وہ تمام علاقے بزور قوت خالی کرالے اور اقوام متحدہ کی بالادستی اسرائیل سے منوائے۔

۶۔ آل انڈیا تبلیغ سیرت کا یہ عظیم الشان اجلاس اردن یمن فلسطین، لیبیا، سوڈان، تونس، الجیریا جیسے ممالک اور ان تمام اسلامی تنظیموں، جماعتوں، اداروں، اور انجمنوں کو مبارکباد پیش کرتا ہے جو کویت اور سعودیہ کی دولت اور امریکہ، برطانیہ، فرانس جیسی سپر طاقتوں کے سامنے حق کی حمایت میں سینہ تان کر کھڑے ہوگئے۔ ہندوستان کے کروڑوں مسلمان اور ان کی مذہبی تنظیم آل انڈیا تبلیغ سیرت ان سے یہ امید کرتی ہے کہ بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطین کی آزادی تک وہ اپنا اتحاد برقرار رکھیں گے اور غافل

(باقی صفحہ ۹۴ پر)

احترامِ نبوّت کانفرنس بمبئی کی تجاویز

(ادارہ)

۱۰ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۱ء بروز سنیچر بعد نمازِ عشاء قدیم روایات کے ساتھ ابابلڈنگ نل بازار بمبئی ۳ میں عظیم الشان "احترامِ نبوّت کانفرنس" انجمن برکات رضا کے زیرِ اہتمام حضرت مولانا سید سراج اظہر رضوی خطیب وامام رضا جامع مسجد پھول گلی۔ بمبئی ۳ کی قیادت ونظامت میں منعقد ہوئی۔

صدارت کے فرائض حضرت مولانا مفتی محمد رفیق صاحب قبلہ نے انجام دیئے۔ مقرر کی حیثیت سے حضرت مولانا غلام عبدالقادر علوی وحضرت مولانا سید احمد انجم قبلہ استاذ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف، حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب کشمیری، حضرت مولانا فیض احمد فیض مصباحی غازیپوری نے احترامِ نبوت اور حالات حاضرہ پر بھرپور ولولہ انگیز وبصیرت افروز خطاب فرمائے۔ ساڑھے بارہ بجے صلوٰۃ وسلام ودعا پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔

کمال نظم وضبط کا سہرا انجمن برکات رضا کے نوجوان ارکان بالخصوص سرپرست انجمن حضرت سید سراج اظہر رضوی کے سر ہے۔ اختتام سے قبل مفید اور حالات حاضرہ کے تعلق سے تجاویز پیش کی گئیں جس کی مجمع نے ہاتھ اٹھاکر تائید کی جس کی نقل منسلک ہے۔

تجویز ۱ :۔ آج کی عظیم الشان "احترامِ نبوت کانفرنس" عراق کے بے گناہ شہریوں، ضعیفوں، دواؤں کے لئے تڑپتے بچوں پہ امریکہ کی شہ پر سعودی عرب کی حمایت سے تھوپی گئی جارحانہ پابندی کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کرتی ہے اور پوری دنیا کے انصاف پسند ممالک اور تنظیموں بالخصوص اقوام متحدہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس غیر انسانی پابندی کو جلد از جلد ختم کرانے کے لئے فوراً عملی قدم اٹھائیں اور انسانی فرض ادا کریں۔

تجویز ۲ :۔ "احترامِ نبوّت کانفرنس" ہندوستان کی مرکزی حکومت کے اس اقدام کی حمایت کرتی ہے اور مبارکباد دیتی ہے کہ اس نے مذہبی عبادت گاہوں کو ۱۹۴۷ء کی پوزیشن پہ بحال رکھنے کا بل لاکر جمہوریت کو مضبوط کرنے کی سمت ایک اہم قدم اٹھایا ہے مگر ادھر اتر پردیش کی بھاجپائی حکومت کے بابری مسجد کے تعلق سے جارحانہ عزائم نے مسلمانوں میں شکوک و اضطراب کا عجیب ماحول پیدا کر دیا ہے لہٰذا دستور ہند کی فراہم کردہ ضمانت اور اس کی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لئے ہندوستان کی مرکزی حکومت، یو۔پی کی بھاجپائی حکومت کو اس کے ناپاک عزائم کی تکمیل سے روکے چاہے اس کے لئے یو۔پی حکومت کو برخواست بھی کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے تاکہ ہندوستان کے پُرامن مسلمان شہریوں کا اضطراب دور ہو اور حکومت ہند کا جمہوری اقدار کے تحفظ کا وعدہ پورا کرنے کا عملاً اظہار ہو سکے۔

مرسلہ :۔ انجمن برکات رضا

جامع مسجد پھول گلی۔ بمبئی ۳

اشاعتی سرگرمیاں

فضائلِ قرآن

مولانا افتخار احمد قادری کی کتاب "فضائلِ قرآن" میں بعض سورتوں اور آیات کی تفصیل کے ساتھ فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ اپنے موضوع کی بے نظیر کتاب۔ یہ کتاب کئی سال سے نایاب تھی، قارئین کے اصرار کے بعد اس کا تیسرا ایڈیشن نہایت آب وتاب کے ساتھ فوٹو آفسٹ کی طباعت سے شائع ہوا ہے۔ صفحات ۲۰۶، قیمت غیر مجلد/۳۰ روپے مجلد/۳۵ روپے۔ ناشر:۔ المجمع الاسلامی، فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو۔ یوپی ۲۷۶۴۰۳

فیضانِ سنّت ہندی، مجموعہ بہار دعا، قطب راج گانگ پور

حضرت مولانا الیاس قادری نے مبلغین کی تعلیم و تربیت کے پیش نظر فیضان سنّت کی تصنیف کی جو دعوتِ اسلامی کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ دعاؤں کا حسین مجموعہ بہار دعا مرتب فرمایا جماعت میں شامل حضرات جسے اپنے سینے میں محفوظ کرکے شب و روز اس کے فیوض و برکات کا ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب فاروقی جماعت اہل سنّت کے جانے پہچانے قلم کار ہیں، ہندی میں چھوٹی بڑی کئی کتابوں کو شائع کرکے جیسے زلزلہ، پنج سورہ رضویہ، تبلیغی جماعت، بابری مسجد، جیسی کتاب لکھ کر ہندی داں طبقہ کو اسلام سے قریب کرنے کی مسلسل کوششوں میں مصروف ہیں۔ انھوں نے ان دونوں کتابوں کو بھی ہندی میں شائع فرماکر دینی خدمات کا بہترین فریضہ انجام دیا ہے۔

اس کے علاوہ قطب راج گانگ پور (ضلع سندر گڑھ اڑلیسہ) کے حال پر مشتمل پہلی کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے جس میں اولیائے کرام کی رفعت، عرس کا نئے انداز میں تعارف، چادر و فاتحہ جیسے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ملنے کا پتہ: محسن ملّت اکیڈمی، مدرسہ اصلاح المسلمین و دارالیتامیٰ رائے پور۔ ایم۔پی۔

تبیان الوضو

عام طور سے لوگ وضو اور غسل کے مسائل سے ناواقف ہیں جبکہ بغیر صحیح غسل اور وضو کے نماز ہی نہیں ہوتی۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس رسالہ میں وضو اور غسل کی احتیاطوں کو بیان کرتے ہو وضو و غسل کا صحیح طریقہ قلم بند فرمایا ہے۔ جو ہر مسلمان کے لئے بے حد ضروری ہے۔ صفحات ۱۶، سائز متوسط۔ قیمت/۲ روپیے۔ ذیل کے پتے پر خط لکھ کر حاصل کریں۔ سکریٹری دعوتِ اسلامی، راج محل پوسٹ نرائن پور ۸۱۶۱۰۸۷ صاحب گنج، بہار۔

امام احمد رضا - ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا کوثر نیازی جو پاکستان کی ایک جانی پہچانی شخصیت کے مالک ہیں، پاکستان میں امور مذہبی کے وزیر بھی رہ چکے ہیں اور کبھی جماعت اسلامی پاکستان کے خصوصی رکن بھی تھے۔ عالمی سیاست میں آپ کو جو شہرت ہے وہ تو ہے ہی شعر و شاعری اور ادب و تنقید سے بھی آپ کا گہرا تعلق ہے بنیادی طور پر جماعت دیوبند سے تعلق ہے۔ مگر کھلا ذہن رکھتے ہیں، حقائق کو پرکھنے کے عادی ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ سے بھی متاثر ہیں اور آپ کے مداح۔ زیر نظر مقالہ موصوف نے امام احمد رضا کانفرنس کراچی" میں پڑھا اور سامعین کو محظوظ کیا۔ اس کی مقبولیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کو پاکستان کے متعدد اداروں نے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا اور عالمی شہرت یافتہ اخبار "جنگ کراچی" نے بھی اس کو پورے طور سے جگہ دی۔ مقالے کی افادیت کے پیش نظر اس کو ہندوستان میں پہلی بار تحریک دعوتِ اسلامی

(باقی صفحہ ۵۴ پر)

دہلی میں اہلسنت کی کتابوں کا عظیم مرکز

حجاز پبلشنگ ہاؤس

مصباح القرآن
قرآن حکیم سمجھ کر پڑھنے کی استعداد پیدا کرنے کیلئے اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کی فکری صلاحیتوں کا بے مثل شاہکار جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ قیمت مکمل ۳۸/-

ہشت بہشت
آٹھ خواجگان چشت کے ملفوظات طیبات کا گرانقدر مجموعہ جسکا مطالعہ آپکے دلوں میں عشق امت کا سرور اور زہد و تقویٰ کا نور پیدا کرے گا۔
صفحات ۹۱۶ - قیمت ۱۱۰/-

بہجۃ الاسرار شریف
سرکار غوث الوریٰ کی حیات مبارکہ، احوال و کرامات اور تعلیمات و کمالات پر اردو کی سب سے جامع اور مستند و نایاب کتاب۔
صفحات ۲۰۲ - قیمت ۷/-

جامع کرامات اولیار
علامہ یوسف نبہانی کے قلم سے لکھی گئی ہزاروں اولیاء کرام کے صحیح کرامات کا مستند مجموعہ اولیاء اللہ کے عاشقوں کے لئے بیش بہا تحفہ۔
صفحات ۹۰۸ - قیمت ۱۱۰/-

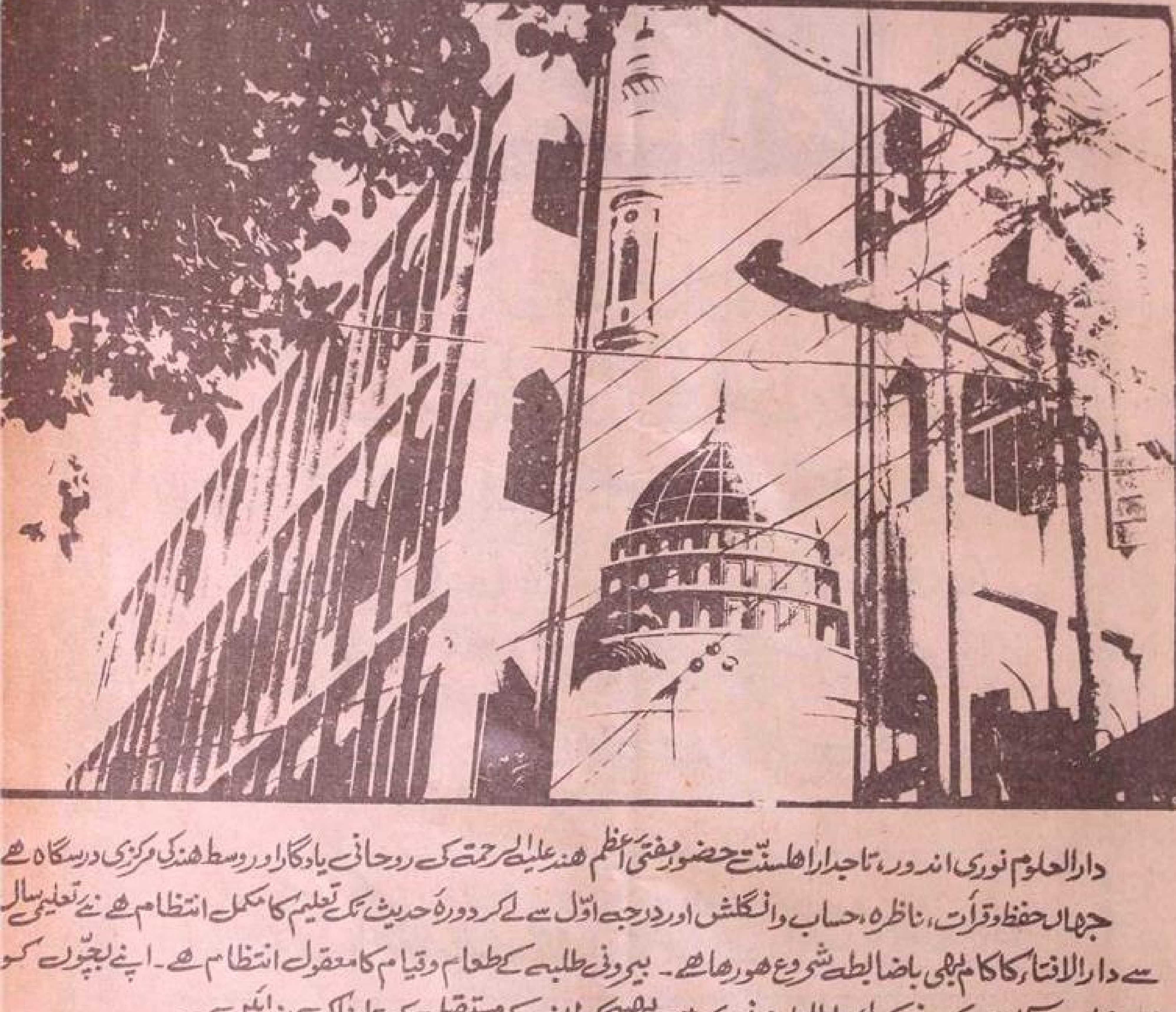
اسمائے کتب	قیمت	تعداد	اسمائے کتب	قیمت	تعداد	اسمائے کتب	قیمت	تعداد	اسمائے کتب	قیمت	تعداد
نمازیں اور دعائیں	۲۲/-		زلزلہ	۲۵/-		فتوح الغیب	۱۰/-		دور حاضر میں منکرین رسالت	۴/-	
ہشت بہشت	۱۱۰/-		دلائل الخیرات شریف	۳۵/-		معراج النبی	۱۱/-		آئیے حج کریں	۲/۵۰	
جامع کرامات اولیار	۱۱۰/-		تبلیغی جماعت	۲۵/-		تعزیرات قلم	۱۲/-		ایک سفر دہلی سے	۲/-	
بہجۃ الاسرار شریف	۷/-		احکام شریعت	۳۵/-		سوانح کربلا	۱۰/-		سرکار کا جسم بے سایہ	۳/-	
جاء الحق	۵۵/-		فوائد الفواد	۳۵/-		بارہ تقریریں	۱۹/-		طریقۂ فاتحہ	۲/-	
سنی بہشتی زیور	۴۵/-		راحت المحبین	۲۷/-		سچی نماز	۹/-		زیارت قبور	۲/-	
شمع شبستان رضا	۴۵/-		فضائل درود	۲۵/-		اسلامی زندگی	۹/-		رہبر و رہنما	۲/-	
مقالات کاظمی	۴۵/-		جماعت اسلامی	۱۳/-		انیس الارواح	۷/-		الوظیفۃ الکریمہ	۲/-	
شام کربلا	۳۵/-		کرامات صحابہ	۱۲/-		دلیل العارفین	۷/-		امام احمد رضا کا مقام امتیاز	۲/-	
عقائد اسلام	۳۵/-		درود تاج پر اعتراضات	۱۲/-		مفتاح العاشقین	۵/-		میلاد النبی	۵/-	
بیس تقریریں	۴۰/-		نقش کربلا	۱۳/-		فوائد السالکین	۵/-		عورتوں کی نماز	۶/-	
مصباح القرآن (اول)	۸/-		غوث الوریٰ	۱۵/-		نماز کی تعلیم	۸/-		حاضر و ناظر کا ثبوت	۴/-	
” ” (دوم)	۱۰/-		اسرار الاولیار	۱۸/-		رسول کریم	۸/-		میلاد و قیام کا ثبوت	۵/-	
” ” (سوم)	۲۰/-		راحت القلوب	۱۵		جوانی کی حفاظت	۷/-		ماہ شعبان اور شب برات	۵/-	
اسلام میں پردہ	۳۰/-		خطبات اعظمی اول	۱۵/-		شریعت	۶/-		زکوٰۃ کی اہمیت	۴/-	
شریعت و طریقت	۳۰/-		” دوم	۱۲/-		نقش خاتم	۴/-		تمہید ایمان	۶/-	
انوار احمدی	۲۵/-		خطبات ربانی اول	۱۳/-		جلوۂ حق	۴/-		مسائل رمضان	۷/-	
زیر و زبر	۲۲/-		” دوم	۱۳/-		دل کی مراد	۴/-		لسان الفردوس	۲/-	
لالہ زار	۳۰/-		خطبات ہاشمی	۱۲/-		محمد رسول اللہ قرآن میں	۴/-		شان خطابت	۱۵/-	

مکتبہ جام نور کی زیر طبع کتابیں

محمد عربی میدان جنگ میں ۔ دین مصطفےٰ ۔ سلطنت مصطفےٰ ۔ ذکر رضا ۔ میلاد شریف اور علمائے اقبال ۔ میاں بیوی کے حقوق ۔ آئینہ اسلام ۔ آخری نبی
قوانین شریعت ۔ نقوش و اعمال ۔ سحر البیان ۔ روح البیان ۔ مفید الواعظین ۔ رحمت خدا بوسیلۂ اولیار

حجاز پبلشنگ ہاؤس ۔ ۴۲۳ مٹیا محل ۔ جامع مسجد ۔ دہلی ۶

دار العلوم نوری۔ اندور۔ (ایم پی)



دار العلوم نوری اندور، تاجدار اہلسنّت حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی روحانی یادگار اور وسط ہند کی مرکزی درسگاہ ہے جہاں حفظ و قرأت، ناظرہ، حساب و انگلش اور درجہ اوّل سے لے کر دورۂ حدیث تک تعلیم کا مکمل انتظام ہے نئے تعلیمی سال سے دار الافتاء کا کام بھی باضابطہ شروع ہو رہا ہے۔ بیرونی طلبہ کے طعام و قیام کا معقول انتظام ہے۔ اپنے بچّوں کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لئے دار العلوم نوری میں بھیج کر ان کے مستقبل کو تابناک بنائیں۔

حاجی حافظ عبد الغفّار نوری ناظمِ اعلیٰ

دار العلوم نوری اندور۔ مدھیہ پردیش